انشائے لطیف

از قلم —

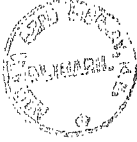
لطیف الدین احمد

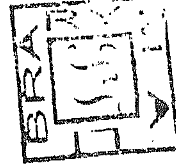
مطبوعہ رفاہ عام پریس آگرہ
(قیمت فی جلد دو روپیہ عہ)

تہدیہ:-

"بنام شاہدِ نازک خیالاں"

ز مصنف
بیں اپ





باسمہٗ

معروضہ

جب کوئی کتاب شائع کی جاتی ہے تو، اکثر، کسی معزز ہستی کی تلاش کی جاتی ہے، جسکی معرفی سے کتاب ذی وقعت ہو جائے؛ اور ہو سکتا ہے کہ اس طرح کچھ جلدیں زیادہ بھی فروخت ہو جائیں۔

یا کسی مشہور ادیب سے مقدمہ لکھوایا جاتا ہے، کہ کتاب کے محاسن اجاگر ہو جائیں۔ کوئی شک نہیں کہ ایسا مقدمہ بجائے خود ایک ادبی اضافہ ہوتا ہے لیکن تصنیف کے معائب ظاہر ہونے سے رہ جاتے ہیں؛ اور ایک طرح پڑھنے والے ناقد کی زبان بند ہو جاتی ہے —— ہماری قوم کی اخلاقی جرأتوں کے حدود سب کو معلوم ہیں! اور اس وجہ سے مصنف ان اسباق سے محروم ہو جاتا ہے جو صرف نقدِ صحیح کے مدرسے مل سکتے ہیں۔

یا پھر خود مصنف ایک دیباچہ لکھتا ہے جس میں کچھ روایتی انکسار سے کام لیا جاتا ہے اور کچھ تعلّی سے۔ میں اپنے دورِ اوّل ۱۹۲۲ء تا ۱۹۲۵ء کے فسانوں کو یکجا پیش کرتے ہوئے، تینوں صورتوں کے ساتھ چوتھی تجویز پر بھی عمل کرنا نہیں چاہتا، جس کی میرے ایک دوست نے باصرار سفارش کی ہے؛ یعنی میں ہر افسانے پر ایک مختصر نوٹ لکھ کر اس کے نفسیاتی اشارات کو واضح کردوں جو اُن کی نظر میں ان افسانوں میں جابجا پائے جاتے ہیں۔ یہ تجویز، میرے [illegible] کے مطابق، اگر قارئینِ کتاب کی ذہانت پر ایک نارواحملہ نہیں تو خودستائی تو ہے ہی۔ کیونکہ اگر فی الواقعہ ان تحریروں میں ایسے اشارے ہیں تو پڑھنے والے حضرات کا ذہن و ذوق ان نازک اشارات کو محسوس کئے بغیر گزر نہ جائے گا؛ یا پھر وہ ایسے لوگوں کے لئے ہیں ہی نہیں جن کو ادبی نکات و محاسن سبقاً سمجھانے کی ضرورت ہو!

الغرض میں تو اس مجموعے کو ان سطروں سے بھی مبرّا رکھنا چاہتا تھا؛ لیکن اس اصرار سے مجبور ہو گیا کہ کم از کم معرفی یا مقدمہ نہ لکھوانے کے وجوہ ہی ظاہر کر دوں۔ بنابریں عرض پرداز ہوں کہ پہلی صورت اختیار کرنے کے لئے میرے پاس ذرائع نہ تھے اور دوسری شکل کے لئے میرے احباب کے پاس ان خرافات پر وقت ضائع کرنے کی فرصت نہیں ——— بالفاظ دیگر مجھے التجا کرنے کی عادت نہیں!

البتہ اس موقعے سے میں یہ فائدہ اٹھا سکتا ہوں کہ اپنے طرزِ انشا کے متعلق کچھ تصریح کر دوں: میں نے بیان کے بعض بدیسی اسلوبوں کو اپنایا ہے، بعض جدید ترکیبیں استعمال کی ہیں، بعض الفاظ کے مفہوم یا املا میں ابداع سے کام لیا ہے۔ اور قارئینِ کرام یا ناقد حضرات نے اگر ہمدردانہ نگاہ ڈالی تو مجھے یقین ہے کہ میرے ابداع بے ضرورت بے دلیل اور ایسے نظر نہ آئیں گے جو معقولیت پر مبنی نہ ہوں اور زبان میں کسی اضافے کی صورت پیش نہ کرتے ہوں۔ لیکن اگر قدامت پرستی مذہب بن گیا ہے اور توسیعِ زبان کا مسئلہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا تو مجھے پہلے ہی سے سپر انداختہ سمجھئے!

میں نے بعض الفاظ پر نوٹ دے دئے ہیں لیکن جن پر میں نے نوٹ دینا ضروری نہیں سمجھا ان میں دو لفظ ایسے ہیں کہ اگر اُن کے متعلق یہاں کچھ عرض کیا جائے تو بے محل نہ ہوگا: ایک لفظ تو "جذبات" ہے جو معنوی اعتبار سے اردو ہے اس لئے اس کی جمع عربی طریق سے غلط ہونا چاہئے۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ وہ عربی داں طبقہ جو اس اصول کا اعلان کرتا ہے، اس لفظ کی جمع عربی طریقے پر ہی بناتا ہے کیونکہ یہاں وہ مجبور ہے!! اس مسئلے میں میں جناب آرزو لکھنوی کا مؤید ہوں کہ جن الفاظ میں صوری تغیر نہ ہوا ہو، ان پر اصلی زبان کی تصریف بھی روا رہنا چاہئے۔ اس پر میں اتنا

ضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ اس اصول کے اندر وہ الفاظ بھی آجانا چاہئیں جن کو غیر
رب نے عربی قواعد کے مطابق وضع کیا ہے : مثلاً تنقید، دقیع وغیرہ

دوسرا لفظ "طیار" بلحاظِ املا ہے۔ اس لفظ کو میں آمادگی اور تکمیل کے
عنی میں "ط" کے ساتھ لکھتا ہوں۔ لیکن فربہی کے معنی میں "ت" سے لکھنا
صحیح سمجھتا ہوں، جو میرے خیال میں بالکل اردو ہے۔ اس تفریق سے ایک لفظ
اضافہ بھی ہو جاتا ہے اور املا میں یکرنگی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔

آخر میں یہ گزارش کرتا ہے کہ ان بارہ تیرہ سال پہلے کی تحریروں میں بعض
لفظی تصحیح کے علاوہ کوئی خاص تبدیلی نہیں کی ہے، کیونکہ میرے خیال میں ادبی
نث کا مقتضا یہی ہے۔ نیز اس مجموعے میں چار افسانوں کے ساتھ لفظ "مختار"
ھا گیا ہے : اس کے لکھنے سے میرا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ وہ فسانہ نہ تو بالکل
رجمہ ہے اور نہ تمام تر میرا ہے ؛ اس کے پلاٹ یا تخئیل کا کوئی جزو بھی مجھے
سری جگہ سے ملا ہے تو میں نے اسے "مختار" لکھا ہے۔

ل۔ احمد

آگرہ ـــــــ ۲ر اگست ۱۹۳۵ء

نمبر سلسلہ	فہرست مضامین	نمبر صفحہ

سمنستان کی شہزادی

"اُس وقت سے کہ کرۂ ارض نے رقصِ آفتابی شروع کیا، تمام عالم میں شہزادی سمنبر سے زیادہ حسین اور لطیف بچہ پیدا نہیں ہوا!" مورخ دربار شاہی ہر چند ضبط واقعات میں نہایت محتاط واقع ہوا تھا لیکن جب وہ ولایت سمنستان کے اُس دور کی تاریخ قلمبند کرنے لگا تو یہ فقرہ اس کی قلم سے بساختہ نکل گیا۔

اُس ساعت میں جب گلاب کی پنکھڑیاں کھلنے لگتی ہیں، اس لمحے میں جب کلیاں یک جرعۂ نسیم کی عوض اپنا جامۂ احرام اتار ڈالتی ہیں، اور ٹھیک اُس وقت جب ستارے اس مختصر رنگ و نور کا تماشا دیکھ کر آخری کرنیں نچھاور کرتے ہوئے اپنی آنکھیں بند کر لیتے ہیں، شہزادی سمنبر نے اس عالم میں قدم رکھا تھا۔

دایہ شہزادی کو حریر و پرنیاں میں لپیٹے ہوئے جس وقت جھروکے میں لائی تھی کہ اُس بارہ ماہ کے نظارے سے رعایا کے ہجوم کی شادمانی مکمل ہو، شاہی مورخ نے بھی اسے ایک نظر دیکھا تھا۔ اس کے بعد وہ سیدھا اپنی قیامگاہ پر پہونچا۔ کہ اپنے فرائض میں مصروف ہو جائے۔ چنانچہ چاشت سے قبل اُس نے اپنے موضوع پر جس کا عنوان "شہزادی سمنبر" تھا تین ابتدائی باب مکمل کر لئے اور تمہیدی

ابواب میں اُس نے پورا زورِ قلم صرف کرکے نہایت شاندار اور حسین الفاظ میں شہزادی سمنبر کے واقعاتِ پیدائش منضبط کئے تھے۔ ان صفحات کے لکھتے وقت وہ ایک مورّخ کی حیثیت سے بڑھ کر ایک شاعر کا درجہ رکھتا تھا؛ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اس پر اسے کوئی الزام نہیں دیا جا سکتا!

سمنستان میں سات روز تک دفت کا شمار معطل ہوگیا تھا کسی کو خبر نہیں تھی کہ طلوع وغروب کا مفہوم کیا ہے اور کوئی نہ جانتا تھا کہ اس کی ذات سے انفرادی طور پر کیا فرائض وابستہ ہیں۔ ہفت روزہ جشن برپا تھا اور ہر شخص اجتماعی طور پر اس جشن کو زیادہ مکمّل کرنے ہی کو فرض جانتا اور اس کو ادا کر رہا تھا۔ باشندگانِ سمنستان کو، ان سات دن کے اندر جو ان کو زندگی کے محبوب ترین دن تھے، اس کے سوا کوئی کام نہ تھا کہ خیال میں آسکنے والا ہر طریق طرب اندوزی اور طرزِ عشرت افروزی کام میں لائیں، اور سرورِ انبساط میں غرق ہو کر رہ جائیں!

البتہ ناظرِ تشریفات ضرور مصروف تھا کہ تمام انتظاماتِ جشن اسی کے سپرد تھے، دربارِ شاہی کا مورّخ بیشک منہمک تھا کہ اب اُسے اپنے فرضِ منصبی سے دلچسپی زیادہ ہوگئی تھی، کنیزیں واقعی مشغول تھیں کہ ان میں سے ہر ایک اس چاند سے ٹکڑے کو اپنی گود میں لینے کیلئے بیقرار نظر آتی تھی، اور گلزارِ شاہی کا باغبان بھی حقیقتاً بہت عدیم الفرصت تھا جسے ہر ہر گھنٹے کے بعد تازہ گلاب کی پنکھڑیاں تمام راستوں پر بچھا دینا پڑتی تھیں! سارا شہر اور تمام ملک، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ

گویا وہاں کے باشندے کبھی کوئی کام کرتے ہی نہیں مگر عیش و طرب کے جلسے اور لطف و نشاط کی تلاش! ان کا قول تھا کہ:۔

"ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ انبساط و مسرت کے دن ہیں اور ایسے موقعے ہمیشہ حاصل نہیں ہوا کرتے ہیں!"

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ تمام ولایت سمنستان میں کوئی متنفس کام نہ کرتا تھا اور وہاں کے باشندے صفحۂ عالم پر سب سے زیادہ خوش باش اور عشرت پرست تھے۔ سیر و تماشا ان کا مقصودِ زندگی اور کچھ نہ کرنا ہی اُن کا کام تھا۔ ان کا بس یہی شغلہ تھا کہ باغوں میں جا کر، اور سمنستان کا چپہ چپہ باغ تھا، رقص کرتے اور جب خستہ و مضمحل ہو جاتے تو گلاب کے بچھے ہوئے پھولوں پر گر پڑتے، اپنی گود دل کو ان سے بھر لیتے اور پھر تازہ دم ہو کر صرف رقص ہونے لگتے۔ ان کا مدارِ حیات صرف خوبانیاں تھیں! سمنستان میں پھولوں اور خوبانیوں کے سوا کوئی چیز پیدا نہ ہوتی تھی؛ اور یہ نتیجہ تھا وہاں کی آب و ہوا کا! سمنستان میں ایک ہی موسم رہتا تھا اور وہ موسم بہار کا تھا۔ لیکن اس سدا بہار موسم میں وہ تمام لطافتیں بھی تھیں جو موسمِ گرما کیلئے مخصوص ہیں؛ اور جن سے پھلوں میں گداز اور پختگی آتی ہے۔ بارہ مہینے میں صرف ایک مہینا ایسا ہوتا تھا جسے سمنستان والے سرما سے تعبیر کرتے تھے۔ اس ایک مہینے میں وہاں کے باغ باشندگانِ ملک کے لئے از، تہ بہم پہونچانے سے عاری ہو جاتے تھے۔ مگر چونکہ اس موسم کی عمر نہایت ہی مختصر ہوتی تھی اس لئے ان لوگوں کیلئے

یہ دن بھی غیر معمولی اسباب لطف لے کر آتے تھے۔ ان کی شامیں اپنے اندر رنگینئ سامانِ عیش اور صبحیں اپنے ساتھ جدید مشاغلِ مسرت لاتی تھیں۔
سرما میں جب کہ خوبانیوں کی بہم رسانی موقوف ہو جاتی تھی، جو انکی تنہا غذا تھی تو وہ قرب وجوار کے ملکوں سے اخروٹ اس شرط پر قرض لے لیا کرتے تھے کہ جس روز چاند اپنے پورے دائرے کو لئے ہوئے طلوع ہو گا اس کے دوسرے روز خوبانیوں کی شکل میں ادا کردیں گے۔ اور یہ لوگ اس تبادلہ تجارت کے لئے اخروٹوں کی معقول مقدار ایک دوسرے قطعۂ ملک سے لایا کرتے تھے۔
اہلِ سمنستان نے اپنے ملک میں ریشم کے کیڑوں کو یہ فن سکھا دیا تھا کہ وہ صرف ریشم پیدا کرنے ہی پر بس نہ کریں بلکہ اس سے ریشم کی نفیس چادریں بھی طیار کیا کریں چنانچہ وہ کیڑے اس لطیف آبادی کے لئے رنگین خوبصورت ریشمی ملبوس طیار کرتے تھے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ انھیں ریشم کے کیڑوں کی یہ صنعت تھی جس نے اس ملک کی آبادی کی لطافت کو مکمل کیا، ورنہ ان کے پاس تن پوشی کا کوئی اور ذریعہ نہ ہوتا۔

ساتواں دن تقریب کا خاص دن تھا اور جشن مسرت کا یوم مخصوص!
ساتویں صبح صادق کے وقت تمام سمنستان زمزمہ زار نظر آتا تھا، اور ہر شخص قصر شاہی میں ایک مہمان کی حیثیت سے موجود، ہر متنفس ولولہ و شوق سے لبریز تھا مگر وزیر لتھمر لیفات متردد!

"میری خواہش ہے کہ ہر کام باقاعدہ اور نہایت خوش اسلوبی سے انجام پا جائے۔" اُس نے اپنے آپ سے کہا۔

مہمانوں کے شوق کا یہ عالم تھا کہ وہ جوق جوق ہنگامہ کناں چلے آرہے تھے اور عوائد شاہی کے لحاظ سے لازم تھا کہ وہ صبر و انتظار سے کام لیں۔ لوگ مست مسرت ہو کر باہم "گلبازی" کرتے ہوئے "حلقۂ گل" کے رقص میں محو اور خود وزیر تشریفات کو اپنے ہجوم میں لئے ہوئے قصر میں داخل ہو رہے تھے تو وزیر تشریفات کی آرزو پوری ہونے کی توقع کیونکر کی جا سکتی تھی؟ بایں ہمہ وزیر تشریفات بھی خوش تھا، بالخصوص اس وقت جب کہ اُس نے ہمسایہ سلطنتوں کی شہزادیوں کو محل میں داخل ہوتے دیکھا۔ یہ اس لئے آئی تھیں کہ شہزادی سمنبر کی موہنہ بولی مائیں بنیں!

ہر موہنہ بولی ماں اپنے زرّین ہوا دار سے، جن میں ہوائی گھوڑے جتے ہوئے تھے، محل کے دروازے پر اُتری۔ وزیر تشریفات ان کو آتے دیکھ کر بے حد خوش ہوا اور اُنکی پذیرائی کے لئے دروازے تک آیا اور تعظیم میں اس قدر جھکا کہ اُس کا چشمہ بھی گر پڑا۔

ان شہزادیوں نے جب اپنی موہنہ بولی بچی کو دیکھا تو بیتابانہ، سراپا شوق و ابتہاج بن کر اس کے گرد حلقہ باندھ لیا۔ شہزادی سمنبر گویا ایک ننھی سی

۱؎ اس لفظ کا جو تلفظ ہے اس کی بناپر واؤ کا لکھنا ضروری سمجھتا ہوں۔

کلی تھی جس کے گرد تتلیاں اپنا ہنگامۂ رقص بپا کئے ہوئے تھیں۔ ہر بادشاہزادی اپنی موسنہ بولی بچی کیلئے بیش بہا تحائف لائی تھی، اور ان میں سے ہر ایک کی یہی خواہش تھی کہ سب سے پہلے وہی اپنے تحائف پیش کرے۔ چنانچہ جوشِ محبت اور شوقِ ادلیت میں سب کی سب ایک ہی وقت میں سمنبر سے مخاطب ہوگئیں۔ گویا شاہ دانہ کے درخت میں چڑیاں چہچہا رہی تھیں۔ دربار شاہی کا مورخ، اپنی قلم کی انتہائی تیزی کے باوجود، ان تحائف کی نصف فہرست بھی منضبط نہ کرسکا جو اس وقت شہزادی کو دئے گئے۔

جب تمام رسمیں ختم ہوگئیں تو منہ بولی مائیں ایک ایک کرکے رخصت ہوئیں۔ ابھی آخری بادشاہزادی، سمنبر کا رخصتی بوسہ لے ہی رہی تھی کہ ایک شور سنائی دیا۔ ہر شخص اس طرف متوجہ ہوگیا۔ اور پلک مارنے میں لطف و مسرت کا تبسم جو ہر چہرے کا فطری جزو معلوم ہو رہا تھا، دفعتاً مفقود ہوگیا اور رقص و سرود موقوف! کیونکہ شاہزادی قاہرہ بھی موسنہ بولی ماں بننے کے لئے آئی تھی؛ اور لوگ اُسے منحوس سمجھتے تھے۔ اس کے ہوادار کا رنگ سیاہ تھا اور گھوڑے بھی مشکی تھے۔ سمنستان کے شاہی خاندان کے لئے پرانے تعلقات کی بنا پر اس کی پذیرائی ناگزیر تھی۔

وزیرِ تشریفات کیلئے از روئے عوائد، نوید بھیجنا ضروری تھا، اگرچہ سب واقف تھے کہ اس کا شریک ہونا کوئی خوشگوار بات نہ تھی۔ چنانچہ اس تقریب

مولود کی نوید شاہزادی قاہرہ کے نام لکھی تو ضرور گئی مگر ملکۂ سمنستان نے اس کے نام کا خریطہ نکلوا کر ایوان دربار کے ایک طاق میں ڈال دیا تھا۔

"ہم ہمیشہ کہہ سکیں گے کہ خریطے کا رہجانا ایک اتفاقی امر تھا!" ملکہ نے کہا:۔

لیکن شاہزادی قاہرہ کو دھوکا نہیں دیا جا سکتا تھا، اور نہ اس کے یہاں کوئی عذر پزیرا ہو سکتا تھا۔ اس نے شہزادی کی ولادت کی خبر سنی اور آموجود ہوئی۔ ملکہ نے مصنوعی عذر پیش کیا، لیکن شہزادی قاہرہ نے غضبناک نظروں سے دیکھ کر کہا:۔

"میں خوب جانتی ہوں کہ اب چونکہ میں بوڑھی ہو رہی ہوں اس لئے میرے ساتھ کسی کو محبت نہیں رہی ہے، تاہم مجھے اصرار ہے کہ میں نوزائیدہ کی موشنہ بولی ماں بننے کی خوشی سے محروم نہ رکھی جاؤں؛ اور جو تحفہ لائی ہوں وہ اپنی ننی کو دے سکوں!"

یہ کہتی ہوئی شہزادی قاہرہ، ننی سمنبر کے نفیس و نازک گہوارے کی طرف بڑھی، جہاں ننی شہزادی پڑی ہمک رہی تھی، اور ایک مایوسانہ انداز میں جھک کر کہنے لگی:۔

"سرزمین گلاب میں کھلنے والی سمنبر تو ہمیشہ ایک گلاب کی طرح سینچی جائیگی!" ملکہ سمنستان نے ایک اطمینان کی سانس لی اور خود ہی کہنے لگی:۔

"کیا واقعی شہزادی قاہرہ اس مرتبہ ایسا عمدہ سلوک کرنا چاہتی ہے ؟"

"مگر نہیں شاہزادی قاہرہ کے منصوبے ایسے معصوم نہ تھے۔ کیونکہ وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہتی سنائی دی:-

"ایک گلاب کی مانند سینچی جائے گی! کیونکہ تیری شادی ایک باغبان کے لڑکے کیساتھ ہوگی!"

شاہ و ملکۂ سمنستان اور مورخِ دربارِ شاہی نے، جو ہمہ وقت گوش بر آواز رہتا تھا، یہ جگر خراش کلمے سنے۔ اس طرف شاہزادی قاہرہ جلدی جلدی قدم اٹھاتی ہوئی گاڑی میں سوار ہوئی اور چلدی۔

یہ تھا اُس حسین بچی کا مقسوم! یہ تھی شہزادی سمنبر کی قسمت!

(۳)

یہ واقعہ جگر خراش تھا، ایسا جگر خراش کہ بادشاہ نے اُسی غم میں جان دیدی؛ جب سے شاہزادی قاہرہ کی پیشین گوئی سُنی، بادشاہ نے خوبانیوں کا کھانا ترک کر دیا تھا اور گلاب کا سونگھنا موقوف! کیونکہ اس کی غیور طبیعت کے لئے یہ خیال بھی قابلِ برداشت نہ تھا کہ اسکی جلوۂ قمر بیٹی ایک مالی کے لڑکے کیساتھ منسوب ہو۔ جب وزیر تشریفات نے عوائد خاندان شاہی کی "کتابِ زریں" میں سے وہ دفعہ پڑھ کر سنائی جس میں درج تھا کہ:-

"سمنستان کی شہزادی صرف ان سات شاہی خاندانوں میں سے کسی ایک شہزادے

کے ساتھ بیاہی جا سکتی ہے جن کو شہنشاہ اعظم کا لقب حاصل ہے۔"

تو بادشاہ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا؛ اور آخر کار وہ دن اس صدمے میں مبتلا رہ کر مر گیا۔ بادشاہ کے بعد ملکہ بھی زندہ نہ رہ سکی اور گلاب کے جھنڈ میں اپنے شوہر کے برابر گورستانِ شاہی میں پھولوں کے اندر دبا دی گئی۔

اب صرف ایک شخص یعنی مورخ دربار باقی تھا جسے شہزادی کے متعلق اس پیشنگوئی کا علم تھا۔ اس نے اپنی کتاب میں یہ واقعہ درج تو ضرور کیا مگر اُسے بالکل راز رکھا۔ چونکہ سمنستان کے لوگ تاریخ سے کوئی دلچسپی نہ رکھتے تھے اور انھیں یا کسی کو بھی اس حقیقت کا علم نہ تھا؛ اسی وجہ سے شاہزادی کے "پاؤں پاؤں صندل کے پاؤں" کا وقت آیا تو دایہ نے بھی محلِ شاہی کے باغبان زادے کے ساتھ کھیلنے سے اُسے نہ روکا۔ کیونکہ عوام میں سے کوئی بچہ بلایا نہ جا سکتا تھا اور محل میں اور کوئی بچہ اس کے ساتھ کھیلنے کیلئے موجود نہ تھا؛ مگر شہزادی کے ساتھ کھیلنے کو کوئی بچہ ہونا بھی نہایت ضروری تھا۔

غرض شہزادی سمنبر اس لڑکے کے ساتھ کھیلتی اور بڑھتی رہی۔ سمنستان کے قریب جو ریاستیں تھیں، وہ اتنی دور تھیں کہ وہاں کے شہزادے، شہزادی کے ساتھ کھیل سے فارغ ہو کر غروب آفتاب تک گھر واپس نہ پہنچ سکتے تھے۔ ایک ریاست کا ولیعہد شہزادی کے ساتھ کھیلنے کے لئے منتخب بھی کیا گیا مگر وزیر تشریفات نے یہ شرط لگا دی کہ وہ اس شرط پر شہزادی کے ساتھ

کھیل میں شریک ہو سکتا ہے کہ جب شہزادی اس کی طرف گیند لینے آئے تو وہ تعظیماً جھک جائے۔ اور جب شہزادی اس طرف گیند پھینکے تو اسی طرح سات بار تعظیم دے۔ کیونکہ شاہی عوائد و رسوم کی "کتابِ زریں" کا یہی منشا ہے۔ مگر نواب زادے کے اتالیق نے ان شرائط پر اعتراض کیا اور شہزادی پھر اُسی طرح بغیر ہمجولی کے رہ گئی۔

وزیر تشریفات نے شاہی بچّی کی اس تنہائی کی حالت پر بہت افسوس کیا کیونکہ وہ رحمدل بھی تھا۔ اور اس لئے جب اُس نے شہزادی کو باغبان کے لڑکے کے ساتھ خوبانی کی جھاڑیوں میں آنکھ مچولی کھیلتے دیکھا تو چارہ کار نہ پاکر مزاحمت نہ کی کیونکہ "کتاب زریں" میں جو خاندانِ شاہی کے لئے قانون کی حیثیت رکھتی تھی یہ کہیں نہ لکھا تھا کہ شاہی بچے باغبان زادوں کے ساتھ نہ کھیلیں۔ اور چونکہ مالی کے لڑکے کو کوئی خاص معاشری درجہ حاصل نہیں ہے اس لئے اس کے خیال میں باغبان زادوں کا وجود نقصان رساں نہ ہو سکتا تھا!

سمستان ہر روز باغبان کے لڑکے کے ساتھ کھیلا کرتی تھی۔ یہ لڑکا خوشحال تھا اور ذہین بھی تھا، پھر یہ کہ کھیلنے کے لئے ہر وقت طیار! آخر کار شہزادی کو اس کے ساتھ دلچسپی ہو گئی۔ اُس نے شہزادی کو سکھایا کہ جب گلاب کے جھنڈ میں سے ایک ہزار داستان اچانک شہزادی کی گود میں آپڑے تو اُسے کیا کہنا چاہئے۔ اور جب ہمو لا نظر آئے تو کیونکر وقت کا شمار کرنا چاہئے۔

اگر کسی پھل میں بارہ دانے ہوں تو اسے کیوں مبارک سمجھنا چاہئے۔ اور نئے چاند کو دیکھ کر کیا کہنا چاہئے۔ وہ شہزادی کے ساتھ کھیلتا تھا، اس سے باتیں کرتا تھا اور اُس کے ساتھ گلگشتِ چمن کرتا پھرتا تھا۔ وزیر تشریفات نے جب پھر ایک مرتبہ اُن دونوں کو ساتھ دیکھا تو غور میں پڑ کر مسکرا دیا۔ کیونکہ اس کی قطعی رائے تھی کہ باغبان کے لڑکے کی کوئی معاشری حیثیت نہیں ہے!

ایک دن شہزادی کے کمرے میں ایک بھونرا گھس آیا اور دایہ اس کو نکالتی ہوئی ایوانِ دربار تک جا پہونچی، جہاں دربار شاہی کی تاریخ رکھی ہوئی تھی جس کو شاہی مؤرخ نے مرتب کیا تھا۔ دایہ نے بھونرے کو مارنے کے لئے وہ کتاب میز پر سے اُٹھالی۔ لیکن اُس کے بعد جب اُس نے اس کتاب کو کھولا اور اُس کی نظر ان فقروں پر پڑی جہاں شاہی مؤرخ نے 'شاہزادی قاہرہ کی پیشین گوئی درج کی تھی تو دایہ سہم گئی' اور وہاں سے سیدھی باغ میں پہونچی جہاں شہزادی مالی کے لڑکے کے ساتھ کھیل رہی تھی۔ دایہ نے وہاں پہونچ کر اس لڑکے کو نکال دیا؛ اور وہ باغ کے دروازے سے باہر چلا گیا؛ لیکن بہت ملول و غمگین۔ دوسرے دن شہزادی سمنبر کے ساتھ کھیلنے کو کوئی بچہ نہ تھا۔ شہزادی اکیلی بیٹھی تھی، وہ اکیلی کھیل نہ سکتی تھی؛ اور کوئی کام بھی نہ کر سکتی تھی، کیونکہ وہ شہزادی تھی، سوائے اس کے کہ ایک شہزادی بنی بیٹھی رہے!

اس واقعے کے بعد شہزادی سمنبر کی سواری 'شاہانہ جلوس کے ساتھ دو مرتبہ نکلی

اس کی گاڑی ہمیشہ عنبر بیز اور نیرنگ ساز پھولوں سے آراستہ، مخملی اور قاقمی پردوں سے مزین ہوتی تھی۔ اور وہ گاڑی کے اندر انجم افشاں چتر کے سائے میں، اپنے شاہانہ حسن کی تمام لطافتوں کے ساتھ تمکنت آرا ہوتی تھی۔ اور جب گاڑی چلتی تھی تو شہر کے راستوں میں ابیر گلال اڑ اڑا کر ساری فضا کو رنگین و معطر کر دیا جاتا تھا۔

اس آخری مرتبہ اس نے قبل از وقت اور خلاف دستور شاہی اپنی سواری کی واپسی کا حکم دیا؛ اور محل میں پہونچ کر خوب روئی، اتنا روئی کہ اس کے اضطراب میں کچھ سکون پیدا ہوا۔ مگر اس نے ملکہ یعنی اپنی ماں کے طلسمی آئینے کے راز کو بھی پالیا۔ یہ آئینہ ایک پورے چاند کے پرانے گرے کا بنا ہوا اور صدف و مروارید سے مرصع تھا۔ اس آئینہ کا طلسم یہ تھا کہ جب کوئی رنجیدہ و ملول ہوتا اور اثر غم سے آنسو ٹپک کر اس آئینے پر پڑتے تو وہ آئینہ ایسے مناظر پیش کرنے لگتا جس سے رونے والا مسرور و شگفتہ ہو جاتا تھا۔ شہزادی کے آنسوؤں سے وہ آئینہ نم آلود ہوا اور اس کی نگاہ اس پر پڑی تو شہزادی نے دو مروارید سی آنکھوں کو اپنے سامنے دیکھا۔ شہزادی ان آنکھوں کو پہچاننے میں غلطی نہ کر سکتی تھی: وہ آنکھیں اس مالی کے لڑکے کی تھیں! اس وقت اسے احساس ہوا کہ اسے تو باغبان زادے کے ساتھ عشق ہے! اور وہ لڑکا بھی اس سے محبت کرتا ہے! اب اس نے اپنی آنکھوں کو خشک کیا اور آئینے پر پھر نگاہ کی۔ مگر اب وہ آئینہ عکس سے خالی تھا،

اب وہ کچھ نہ تھا مگر ماہتاب کہنہ کا ایک ٹکڑا۔ وہ اس صورتِ حال سے بہت رنجیدہ ہوئی اور اس کا اضمحلال و غمزدگی اس کے حسین چہرے پر چھا گئی۔

جب دایہ کمرے میں داخل ہوئی اور شہزادی کی حالت دیکھی تو سمجھ گئی کہ سمن آسا دوشیزۂ شاہی کو کسی ایسی چیز کی ضرورت ہے جو اسے خوش کر سکے۔ چنانچہ دوسری صبح، طلوعِ آفتاب کے ساتھ، دایہ کچھ سامانِ تفریح اپنے ساتھ لے آئی۔ ایسی چیزیں جو اس کے نزدیک شہزادی کا دل بہلا سکتی تھیں، مگر اسکی کوشش رائیگاں ہی ثابت ہوئی۔

(۳)

سمنستان میں جہاں کوئی نہ چاہتا تھا کہ کوئی واقعہ رونما ہو، تاریخی واقعات ظہور پذیر ہونے لگے۔ سمنستان والے شہزادی کی پیدائش کے بعد ستّرہ سال تک دنیا کے کسی نئے واقعے سے خبردار نہ ہوئے۔ البتہ وہ یہ جانتے تھے کہ اس دن کے بعد سے ہر موسم غیر معمولی طور پر پُرلطف انگیز ہوتا رہا اور وہ حسین موسموں سے غیر معمولی طور پر مسرور و کیف حاصل کرتے رہے ہیں۔ شاید یہ لوگ آگاہ تھے کہ تاریخ نام ہی غیر خوشگوار واقعات کا ہے، جن کے اعتراف سے یہ لوگ کبھی مکدر ہونا نہ چاہتے تھے۔

لیکن شہزادی سمنبر کی ستّرھویں سال گرہ کا جشن، مسرت اندوز و لطف آفریں سرزمین سمنستان میں، تاریخی واقعات کے داخل ہونے کا دن ثابت ہوا۔ سُہانی اور دلفریب صبح کے وقت، سمنبر کی اقلیم فرمانروائی میں ہر صبح نہایت

دلفریب اور سہانی ہوتی تھی، سب سے پہلے شہزادی سمنبر سے جس نے ملاقات کی وہ شاہزادی دلرس تھی۔

شاہزادی دلرس نے اپنے آنے کی کوئی اطلاع نہ بھیجی تھی۔ لیکن جب وہ آگئی اور اپنا نام بتایا تو کسی کو اس میں شک بھی نہ ہوا، کیونکہ شاہزادیوں کی طرح حسین اور جمیل تھی اور شاہانہ لباس زیب بر کئے ہوئے تھی۔ مگر یہ بات نہایت حیرت انگیز تھی کہ وہ رو رہی تھی۔

وزیر تشریفات خود اس کو درباری ایوان میں لے گیا، جہاں شہزادی سمنبر، وزیر تشریفات کی نہایت مودبانہ التماس کے بموجب، شاہزادی دلرس کی پذیرائی کرنے کے لئے، تخت شاہی پر ریشمی تکیوں کے سہارے منتظر بیٹھی تھی۔ اگر آداب و قواعد دربار پورے طور پر ملحوظ رکھے جائیں تو وزیر تشریفات بہت خوش ہوتا تھا؛ چنانچہ وہ اس وقت بھی خوش تھا۔

شاہزادی دلرس نے جب شاہی تعظیم ادا کی تو فرش پر اس کے آنسو گرے اور شہزادی سمنبر جو باغبان زادے کی گمشدگی سے مغموم تھی، اسے روتا دیکھ کر خود بھی اپنی موتی چور آنکھوں سے بڑے بڑے موتی ٹپکانے لگی اس وقت ساری فضا حسرت والم کی زبان بنی ہوئی تھی: ایوان کے فوارّوں کی تہا دش قطرات بھی اشک ریزی کا حکم رکھتی تھی: اور فوارے کی چوٹی پر جو تو تا بیٹھا تھا وہ بھی اپنی دردناک آواز سے غمزدگی کا اظہار کر رہا تھا۔

ہر چند اہلِ سمنستان کے لئے تاریخ ایک نہایت غیر دلکش موضوع تھا، اور وہ کبھی کوئی ایسی بات زبان سے نہ نکالتے تھے جس میں تلمیحی اشارہ بھی پایا جائے، لیکن ملکہ سمنبر کچھ نہ کہہ سکی جب شاہزادی دلآرس نے تاریخ اور تاریخ سے بھی زیادہ خشک و ناپسندیدہ موضوع یعنی جغرافیئے کے متعلق باتیں شروع کر دیں بلکہ سمنبر اور اس کی رعایا جغرافیئے سے کیوں نفرت کرتے تھے، منجلہ دیگر وجوہ کے اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان کے یہاں جغرافیئے پر جو ایک ہی کتاب موجود تھی، اور جسے انھوں نے اپنے ردی کی تہ میں دبا دیا تھا، وہ اس فقرے سے شروع ہوتی تھی کہ :—

"سمنستان کی شمالی سرحد پر سلطنت سنگستان واقع ہے"

ہر فرد جانتا تھا کہ وہ اگر شمال کی جانب جائے گا تو سنگستان جا پہنچے گا۔ لیکن وہاں پہنچ جانا کسی کو منظور نہ تھا۔ ایسا بیوقوف کون ہو سکتا تھا جو وہاں جانا گوارا کرے؟ ان کے لئے تو اس ملک کا ذکر بھی جامِ سرور میں تلخابۂ غم ملا دینے کا مصداق تھا۔ سمنستان کے عجائب پسند طبقے کے لوگوں کو جو تتلی کی طرح صرف "رقصِ رنگین" میں زندگی بسر کرنے کے عادی تھے، اس ملک کا خیال بھی اذیت رساں تھا!

سمنستان اور سنگستان کی سرحدیں جہاں ملتی تھیں وہاں آہنی ستونوں کی ایک قطار حدِ فاصل کے طور پر قائم کر دی گئی تھی اور یہ ستون

خاردار تاروں سے باہم ملا دیا گئے تھے۔ حد بندی کا یہ تمام کام سلطنت سنگستان کی طرف سے عمل میں آیا تھا۔ اور سمنستان کی مملکت نے ان ستونوں اور تاروں کو عشق پیچاں کی بیلوں سے چھپا دیا تھا؛ تاکہ اگر سمنستان کا کوئی باشندہ بھول کر بھی اس طرف جا نکلے تو آہنی ستونوں اور خاردار تاروں کا نظارہ اس کی نظر و تخئیل کو صدمہ نہ پہنچا سکے۔

(۴)

سنگستان ایک نہایت ویران اور غیر شاداب ملک تھا اور حد درجہ خوفناک! وہاں کا قانون ہر اس شخص کو، جو "براہِ کرم" یا "شکریہ" یا اس قبیل کے دوسرے الفاظ استعمال کرتا جن سے شائستگی و نفاست، تہذیب و سلاست اور تعظیم و تکریم کا پہلو نکلتا، سزا کا مستحق قرار دیتا تھا۔

عقاب سیزدہم، سنگستان کا حکمران ایک بدقطع مکان میں رہتا تھا، جہاں نہ کوئی صفائی تھی نہ آراستگی؛ اور جو خشونت و درشتی کے سوا کوئی منظر پیش نہ کرتا تھا۔ سنگستانیوں کی تعلیم و تربیت میں بدمزاج و کرخت بنانے والے عنصر کے سوا کچھ نہ تھا۔ یہاں کا بادشاہ اگر کسی تقریب کے موقع پر کوئی تقریر کرتا تو وہ اپنے خاندان کے حکمرانوں کے واقعات، عقاب اول سے لیکر اپنے زمانے تک، فخر و غرور کے ساتھ بیان کرتا؛ اور ان واقعات میں نرمی و نفاست کا کہیں اشارہ بھی نہ ہوتا تھا بلکہ وہ نہایت سختی و کرختگی سے مملو ہوتی تھی۔

لیکن اس سلسلے میں جب وہ عقاب ہفتم کی طرف اشارہ کرتا تو نہایت ذلت و تحقیر کے ساتھ؛ کیونکہ اس نے ایکبار کسی مسافر سے ہنس کر نرمی کے ساتھ باتیں کر لی تھیں۔

شاہ سنگستان تمام دن ناتراشیدہ پتھر کی سل پر جسے وہ لوگ تخت کہتے تھے چمڑے کا لباس پہنے بیٹھا رہتا؛ اور اپنے پالتو عقابوں کو کچا گوشت اپنے ہاتھ سے کھلاتا رہتا تھا۔ وہاں ہر شخص کچا گوشت کھاتا تھا؛ اور ساری مملکت میں پھول پیدا نہ ہوتا تھا؛ کوئی پھلی بھی نہیں اگتی تھی گانے والا کوئی پرند اس کی فضا میں زندہ نہ رہ سکتا تھا؛ اور وہاں مکانات صاف نہ کئے جاتے تھے۔

عقاب سیزدہم کی خواہش تھی کہ تمام دنیا کو اپنے ملک کی وضع پر آباد کرے۔ اس کا یہ خیال بھی تھا کہ تین لاکھ خونخوار اور غضب آلود سنگستانیوں کی فوج سے وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کے پاس صرف ایک لاکھ فوج تھی اور وہ دو لاکھ کی کمی پوری کرنے کے لئے علاقہ سمنستان پر قبضہ کرنا چاہتا تھا؛ کیونکہ وہاں سے اسے دو لاکھ آدمی مل سکتے تھے۔ اندر بالکل یہی حیثیت مملکت عسلستان کی تھی جو سنگستان کی دوسری جانب واقع تھی۔ اپنے منصوبے کے تحت میں عقاب سیزدہم نے پہلے ملکہ عسلستان کو اپنی شادی کا پیغام بھیجا۔

وہ ملکہ اس خبر سے سراسیمہ ہو گئی۔ چند روز سخت متردد رہی اور کوئی لمحہ ایسا نہ گزرا کہ وہ گریہ و زاری سے خالی رہی ہو۔ لیکن بالآخر اس نے جزائرِ ارغوان کے نواب کو، جو عسلستان پر قبضے کا متمنی تھا، تمام علاقہ سپرد کر دیا اور خود شہزادی دلرس کا لقب اختیار کر کے روپوش ہو گئی۔ اور خود ہی ملکۂ سمنستان کو ان واقعات کی اطلاع دینے پہنچ گئی۔ یہاں وہ ایک گھنٹے کے قریب ٹھیری، تاکہ سمنبر کو خبردار کر دے کہ اب اس کی باری ہے۔ اس کے بعد رخصت ہو گئی۔

دوسرے ہی دن عقاب سبز دہم کا پیغامِ شادی ایک بھدّے اور میلے سے لفافے میں، جس پر ایک عقاب کی تصویر بنی ہوئی تھی اور جس سے کچے گوشت کی بدبو آ رہی تھی، پہنچا؛ اس نے القاب و آداب لکھنے میں وقت ضائع نہیں کیا اور بے محابا لکھ بھیجا تھا کہ:۔

"خط پہنچنے کے چوبیس گھنٹے گزر جانے پر اس کی فوجیں سرحد پر منڈلا رہی ہوں گی!"

سمنستان کی ملکہ اور اس کی آبادی اس جسارت پر بہت برہم ہوئی۔ ملکہ سمنبر کے ہاتھ میں عقاب سبز دہم کے خط کا جو انجام ہوا وہ یہ تھا کہ اس خط کے پرزے پرزے کر ڈالے گئے اور پاؤں سے مسل دیا گیا! لیکن اس کے بعد نتیجے کے خیال سے سمنبر بہت متردد ہوئی؛ وہ ہر شخص

سے بہترین مشورے کی طالب ہوئی، مگر سمنستان والے کوئی مشورہ اسکے سوا نہ دے سکے کہ ایسا خوشنما دن اس فکر میں ضائع نہ ہونا چاہئے، بلکہ کوئی خاص اور نئی قسم کی سیر و تفریح کا انتظام ہو کہ اس غم کو بھلایا جا سکے!

لیکن وزیر تشریفات اور شاہی مورّخ نے موقعے کی اہمیت کا اندازہ کرکے صلاح دی کہ قبل اس کے کہ عقاب سبز دہم سرحد میں داخل ہو شہزادی کا عقد کسی شخص کے ساتھ ہو جانا چاہئے، کیونکہ پناہ کی یہی ایک صورت ہو سکتی تھی۔ شہزادی سمنبر اس مشورے کو سن کر بولی:—

"اگر میرے لئے ایسا کرنا ضروری ہے تو میں طیار ہوں، مگر اس باغبان زادے کے سوا میں کسی اور کے ساتھ شادی نہیں کر سکتی!"

دونوں کے چہرے فق ہو گئے! اور مورّخ کو وہ پیشین گوئی یاد آئی وزیر تشریفات خاموش رہا! اور پھر نہایت احترام کے ساتھ کہنے لگا۔

"شہزادی صاحبہ! یہ تو بالکل ناممکن ہے! کیونکہ اگر شہزادی نے ان سات حکمراں خاندانوں سے باہر شادی کی تو 'کتابِ زریں' کے رو سے اور قانونِ سلطنت کے مطابق شہزادی کے تمام حقوق ساقط ہو جائیں گے، حکومت ہمسایہ سلطنت کو تفویض ہو جائے گی اور وہ ہمسایہ سلطنت عقاب سبز دہم ہی کی ہو سکتی ہے!"

شہزادی بیحد غمگین ہوئی اور اس کے گلاب آسا رخسار و لب

پر آنسوؤں کے آبدار موتی بکھرنے لگے۔ وزیر تسنیم بیات سخت متاثر ہوا اور کہنے لگا:۔

"کم سے کم ہمیں خود ہی پیغام تو بھیجد ینے چاہئیں۔ ممکن ہے کوئی شاہزادہ، کوئی حسین صورت اور لطیف مزاج شہزادہ مل جائے جس کے ساتھ شہزادی کی شادی کی جاسکے!"

چنانچہ سریع پرواز کبوتروں کے ذریعے سے پیغام روانہ کردئے گئے۔

شہزادی سمینز، اس وقت سے برابر روتی رہی اور اُس نے اپنے اوپر خواب و خور حرام کرلیا۔ صبح کے وقت، جب مورّخ دربار شاہی اسکی اجازت حاصل کرکے، شاہی ایوان میں داخل ہوا تو وہ نہایت خوف زدہ اور پریشان تھا، بار بار باہر کی طرف دیکھ لیتا تھا کہ عقاب کے آجانے کی اطلاع تو نہیں آتی ہے!

لیکن چند لمحوں کے بعد اُس نے دیکھا کہ عقابی علامتوں کے عوض سات امرار، ہلکے آسمانی رنگ کے ریشمی لباسوں میں نہایت حسین اور آبدار مروارید کی مالا گلوں میں ڈالے ہوئے، ہاتھوں میں نقرئی چوبیں اور پھولوں کے گلدستے لئے ہوئے ہیں؛ اور ان کو جلو میں لئے ہوئے ایک نوجوان شہزادۂ گلفام محل میں داخل ہو رہا ہے۔

شہزادے نے تمام آداب و مراسمِ دربار نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ، شہزادوں ہی کی طرح ادا کیے؛ اور اُن تمام جزئیات کا خیال رکھا جن کی توقع ایک شہزادے سے کی جا سکتی ہے، جب کہ وہ کسی عالی مرتبت شہزادی گلبدن کو پیغامِ محبت دینے آئے!

اُس نے ایک میز پہ ایک خوبصورت صندلی صندوقچہ جو بڑے بڑے یاقوت احمریں، زمردِ اخضریں اور الماس تاباں سے بھرا ہوا تھا اس طرح رکھا گویا وہ اُن بیش بہا جواہر کی کوئی خاص وقعت نہ کرتا تھا؛ اور جس وقت وہ شہزادی کے قریب پہنچا تو خمِ تعظیم میں اپنا سر گھٹنوں سے ملا دیا۔ شہزادی کی خوشی و شادمانی کا اظہار اس کی خفیف سے خفیف حرکت سے عیاں ہو رہا تھا؛ اور ایسی حرکات بیشمار تھیں: یہ آنے والا شہزادہ اس باغبان زادے کے سوا کوئی اور نہ تھا!

وزیر تشریفات اور شاہی مورخ بیک وقت کچھ دریافت کرنا چاہتے تھے کہ شہزادہ اُن کی منشار کو سمجھ کر بولا:—

"ہاں"، میں مالی کا لڑکا ہوں!"

"مگر شہزادی سنبتر تو کسی ایسے شخص سے شادی نہیں کر سکتی جس کا تعلق شاہنشاہانِ عظام کے سات خاندانوں سے نہ ہو!"

"میں انھیں خاندانوں میں سے ایک خاندان کا فرد ہوں!"

شہزادے نے جواب میں کہا۔ "کیونکہ میں کوہستان کی سلطنت کا، جہاں سیوتی کے پھول کھلتے ہیں اور جہاں بلبلیں پیدا ہوتی ہیں، ولی عہد ہوں! ہمارا خاندان سالوں شاہی خاندانوں سے قدیم ترین خاندان ہے، اور اپنے جد اعلیٰ و اعظم کی یادگار میں اپنی بیرقوں پر ایک ورق زر کو ہلال کی شکل بنا کر لگاتا ہے۔ میرے والد بزرگوار کے خطابات میں "نواب اعظم ارم آباد" بھی ہے! ہمارے خاندان کی ایک قدیم رسم ہے کہ ہر ولیعہد سات سال کی عمر تک باغبان زادے کی حیثیت سے پرورش پاتا ہے۔ چنانچہ میں نے بھی اس شرط کی تعمیل کی اور تمہارے باغ میں وہ وقت بسر کیا۔ حقیقتاً تمہارا باغ نہایت حسین باغ ہے!"

"شہزادی گلعذار کیا آپ ایک باغبان زادے کے ساتھ شادی کرنا پسند کرینگی؟"

شہزادے نے سمنبر سے مخاطب ہو کر پوچھا۔

شہزادی نے ایک نہایت شیریں تبسم کے ساتھ جو شاید اس نے اپنے باغ کی کلیوں کے کھلنے سے سیکھا ہوگا، اقرار کیا۔ مورخ شاہی نے نہایت خوش ہو کر قاہرہ کی پیشین گوئی بیان کی اور وزیر تشریفات نے شام تک عقاب کے پہونچ جانے کا خیال ظاہر کیا۔

شہزادی سمنبر کی شادی کے مراسم ادا کئے گئے۔ اور سمنستان کے باشندے مدعو ہوئے۔ رقص و سرود کی رنگینیوں میں سب کے سب

پھر مصروف و محو ہو گئے! کیونکہ وہ تو ایسے موقعوں کی تمنا ہی کرتے رہتے تھے۔ لوگ اس طرح آئے اور جمع ہو گئے کہ گویا کہیں چھپے ہوئے اس گھڑی کا انتظار ہی کر رہے تھے اور اس کے سوا انھیں اور کام ہی نہ تھا!

(۵)

عقاب سیز دہم، سمنستان تک کبھی نہ پہنچا! کیونکہ وہ بھی ایک پیشین گوئی میں مبتلا تھا۔ اسے بتایا گیا تھا کہ عقاب سیز دہم اگر "عقاب اعظم" کا لقب حاصل کرنا چاہے تو نو منزل کے مکان پر سے اس حال میں جست کرے کہ اس کے ہاتھوں پر عقاب کا ایک جوڑا بیٹھا ہوا ہو اور اگر وہ نیچے گرنے کی عوض صعود کی حالت اختیار کر سکے تو "عقاب اعظم" کا لقب اختیار کر سکتا ہے!

چنانچہ اس نے اس کا تجربہ ٹھیک اس وقت کیا جب کہ سمنستان کی طرف روانہ ہو رہا تھا، اور جب وہ زمین پر گرا اور اس کا جسم پاش پاش ہو گیا تو عقاب کا وہ جوڑا جو اس کے ہاتھوں پر بیٹھا ہوا تھا اس کے گوشت کو لے کر ہوا میں صعود کر گیا!

۱۹۲۳ء (شہباز)

''میں ہوں اپنی شکست کی آواز''

نازلہ پیاری، تمہاری تحریر ملی، جو ایک ہی وقت میں نامۂ مودت بھی تھی اور مکتوبِ متالم بھی! کاش میں تمہیں دکھا سکتی کہ تمہارے اس خط نے میرے خوابیدہ جذبات کے ساتھ کیا سلوک کیا! ہرچند یہ اعتراف میں خود اپنی ذات سے بھی کرنا نہ چاہتی تھی، لیکن اب میرے قابو میں نہیں کہ میں اس حقیقت کو مزید عرصے تک راز بنائے رکھوں: کچھ تو اس لئے کہ میں اس دیرینہ درد کو اب چھپا نہیں سکتی اور کچھ اس لئے کہ میرا یہ اقبالِ جرم تمہاری روحی اذیت کا مرہم ثابت ہوگا۔ میں اپنی حیاتِ معاشقہ کا فسانہ آج پہلی بار دُہراتی ہوں:-

ہرچند مشاغلِ زندگی سے اس لئے فرصت نکالنا کہ ایک مردہ و مدفون محبت کا ماتم کیا جائے دشوار ہے!

مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ تم نے میری فطرت کا مطالعہ اچھی طرح نہیں کیا! اور چونکہ میں دیکھتی ہوں کہ تمہاری فطرت مجھ سے بحدِ کمال مماثل ہے، اس لئے میں نتیجہ نکالتی ہوں کہ تم اپنے آپ کو بھی بخوبی نہیں سمجھ سکی ہو۔

تم نے اس خط میں لکھا ہے "کاش مجھے موت آجاتی!" اس لئے کہ میں نے تم سے بیوفائی کی؟ تم کہتی ہو "عورت کا دل جب ایک مرتبہ محبت سے بھر جاتا ہے تو پھر خالی نہیں ہوتا!" یعنی ایک عورت، صرف ایک ہی بار محبت کر سکتی ہے۔ تم میری ازدواجی زندگی کو مثالاً پیش کرتی ہو۔ اس کی منقطع نہ ہونے والی برکات محبت کی طرف اشارہ کرتی ہو۔ تم سمجھتی ہو کہ میری ازدواجی زندگی تمہارے داعیاتِ قلب کے عین مطابق ہے!

پیاری نازو! یہ سب تمہارا خیال ہی خیال ہے۔ تم نے جو رائے میرے متعلق قائم کر رکھی ہے اور اپنے قلب میں جن داعیات کا ہونا باور کرتی ہو ایک طلسمِ خیالی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا! کیونکہ نہ تو لوشابہ وہ لوشابہ ہے جو نازلہ کے حجلۂ خیال میں رہتی ہے اور نہ نازلہ وہ نازلہ ہے جس کا وہ یقین کئے بیٹھی ہے۔ تاہم میں تسلیم کرتی ہوں کہ ہم دونوں جذباتی ہیں اور ہماری فطرتیں صرف ایک ہی چیز کی طلبگار ہو سکتی ہیں؛ اور وہ چیز "محبت" ہے!

تاریخ عالم کی روایاتِ عشق و محبت کو محض قصہ کہانی نہ سمجھو۔ یہ افسانے صرف حقیقتیں ہی نہیں بلکہ حیات کی فریادیں ہیں! مصر قدیم کی فرمانروا کلیوپیٹرا کی سی صدہا عظیم ہستیاں آجکل کی عورتوں سے مختلف نہ تھیں۔ آج بھی ہر عورت جو اپنی فطرت کا ماہ کے ساتھ

زندہ ہے، کلیوپیٹرا ہے: میں بھی وہی ہوں اور تم بھی وہی ہو!

یہ باتیں میرے خلوت خانۂ دل کے وہ راز ہیں جن کو اگر تم میرے سامنے ہوتیں تو میں قیامت تک زبان پہ نہ لاسکتی؛ مگر اس وقت نہایت آزادی سے لکھتی چلی جارہی ہوں۔ میں اپنی گزشتہ زندگی کے خزانے جو میرے نہاں خانۂ دل میں محفوظ تھے کھولے دے رہی ہوں! اگر تم نے ذرا غور و تامل سے کام لیا تو مجھے پورا یقین ہے کہ اس تحریر کو پڑھنے کے بعد تم اپنی فطرت کو بخوبی سمجھ سکوگی؛ اور رجان لوگی کہ تمہاری زندگی اس سانحے کے ساتھ ختم نہیں ہوجاتی، بلکہ یہاں سے شروع ہوتی ہے۔ سنو:—

سب سے پہلے تو مجھے خود اپنی ذات سے محبت ہوئی اور دوسری محبت مجھے اپنے والد سے ہوئی (ماں کو میں نے دیکھا ہی نہ تھا)۔ پیاری نازو میں تمھیں کن لفظوں میں سمجھاؤں کہ جس وقت میرا سن سولہ سال کا تھا، میں ایک صبح پلنگ سے اٹھ کر آئینے کے سامنے گئی تو میں نے محسوس کیا کہ مجھے اپنی رعنائی سے خود عشق ہوگیا ہے! میں نے اپنے بالوں میں عنبر کی بوسونگھی، لبوں پر عقیق کو گرم گویائی، دیکھا اور آنکھوں میں جوشِ جوانی کو موجیں مارتے ہوئے پایا! میں اپنی نظروں میں خود ہی نہایت محبوب ہوگئی تھی اور مجھے اپنے حسن وشباب پہ

نشے کا شکبرانہ احساس تھا! میں حیران تھی کہ ایک ہی رات میں یہ انقلاب کیونکر پیدا ہو گیا!

چونکہ میرے والد فلسفے کے پروفیسر تھے اور انھیں اسمیں حد درجہ انہماک و شغف تھا، اس وجہ سے میری پرورش تمامتر طبعی تھی اور میری تربیت قطعاً فطری۔ فلسفے میں چونکہ انھیں فلسفۂ یونان سے خاص دلچسپی تھی اور اس کے وہ ماہر بھی تھے، اس لئے وہ مجھے پیار سے "نوسیکا" کہہ کر پکارا کرتے تھے ——— وہ سرو قامت شہزادی جو دریا کے کنارے تنہا ننہ لباس میں غسل کے لئے جایا کرتی تھی؛ اور اپنی سہیلیوں کے ساتھ گیند سے کھیلا کرتی تھی۔ یہاں تک کہ ایک دن اُڈیسس سے ملاقات ہو گئی جسے جہاز کی تباہی نے آوارہ کر کے وہاں تک پہنچا دیا تھا! ہاں، تو اُس صبح کے بعد سے میں سچ مچ اپنے آپ کو "نوسیکا" سمجھنے لگی اور میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہو گئی کہ جنگل میں نکل جاؤں، خوب گاتی پھروں اور ایک دن اُڈیسس کی تمثیل کسی آوارہ ہستی سے دو چار ہو جاؤں!

میرے والد اپنی مسرور و روشن آنکھوں سے میری اس حالت کو دیکھا کرتے تھے۔ میں اب سمجھتی ہوں کہ شاید وہ مجھے دیکھ کر سوچا کرتے تھے کہ "دیکھو یہ کہاں تک اُڑ سکتی ہے!" کیونکہ اُنھوں نے نہ تو کبھی مجھے

کوئی حکم دیا، نہ کبھی کوئی نصیحت کی اور نہ کبھی کسی بات پر جھڑکا۔ ان کے سر کا ایک جانب خفیف سا جھکا رہنا، محویت کے عالم میں مونچھوں کو بل دیتے رہنا غیر معمولی طور پر چمکیلی آنکھوں کا گہرے اسرار کے انکشاف میں مصروف نظر آنا اور ان کا دائمی تبسّم و بکسر خاموشی، اس وقت بھی میری آنکھوں میں پھر رہے ہیں!

میری مصروفیت و مسرت کا ایک ذریعہ یہ بھی تھا کہ میں ان سے سوال کرتی رہوں۔ وہ اپنے جوابوں میں نہایت دیانت سے کام لیتے تھے: انھوں نے اپنی کسی بات سے یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ وہ اپنے تمام ذخیرۂ معلومات میں سے کوئی بات بھی میری اطلاع کے لئے غیر مناسب و ناشائستہ سمجھتے تھے۔ میرے ساتھ ان کا برتاؤ مساویانہ تھا۔ میں نے ایک دن دریافت کیا :-

"خدا کیا ہے ؟"

"میرے خیال میں خدا اس جذبے کا نام ہے جو تمہارے اندر، وسیع ترین معنی میں، طاقت اور محبت کی خواہش کو بیدار کرتا ہے۔" انھوں نے جواب دیا۔

نازو، تم نہیں سمجھ سکتیں کہ اس جواب میں کس قدر حقیقت و واقعیت تھی! میرے دل میں، اس وقت بھی جب میں انکا جواب سن رہی تھی،

اُسی خواہش کا احساس تھا۔ اور اب میں سمجھتی ہوں کہ عالم طفلی کی پُرسکون سطح سے ایک ہستی واقعی اُسی طرح طلوع کرتی ہے جس طرح سطح بحر سے چاند! اور وہ ہستی اس لئے طلوع ہوتی ہے کہ آفتاب کی شعاعوں سے تپش حاصل کرے، ہواؤں کی چبھن میں لذت پائے، ایک وسیع البسط دنیا کا وجود اُس پر منکشف ہوجائے اور پھر مسحور یہ تماشا آنکھوں کے سامنے وہ سرِ عظیم و عجیب جسے حیات کہتے ہیں، بے نقاب ہو جائے! اس کے بعد "سب میرے لئے ہے!" "سب میرا ہے!" کا ترانہ سازِ دل سے، اس کی سانسوں کی شکل میں نکلنے لگتا ہے!

جس وقت مجھ پر یہ کیفیت طاری ہوئی تو میں بے تابانہ یہ چاہتی تھی کہ تمام عالم پر، ساری فضا پر، اپنی آواز کی انتہائی بلندی کیساتھ، اس راز کا انکشاف کرتی پھروں، پکارتی پھروں اور دنیا سے کہدوں کہ

"نادانو! اگر دنیا تمھیں غم کی تصویریں بنے کیوں نظر آرہے ہو؟ کیا تم فضا کو آگ سے مملو نہیں دیکھتے؟ کیا تم آفتاب کو گلیوں اور راستوں میں مضطرب نہیں پاتے؟ دیوانو! یہ سب کچھ تو تمھارے ہی لئے ہے! سب کچھ تو انھیں کے لئے ہے جن کو خواہش ہے، گرسنگی ہے ——— زندگی کی بھوک ہے!"

میرے اعضا کا نمو تکمیل کی جانب سرعت کے ساتھ بڑھ رہا تھا؛

یعنی میرا طوفان اب ساحل سے گزر جانا چاہتا تھا! میری اچھی نازلہ تم اندازہ کر سکتی ہو کہ ایسی حالت میں، اس شخص کی محبت میں میرا غرق ہو جانا، جو مجھے سب سے پہلے ملا، کس قدر قرینِ فطرت تھا! اور میرا اُسے خدا سمجھ لینا کس قدر طبعی تھا! اگرچہ میرا خدا تو میری وہ "خواہش عظیم" ہی تھی! میرے اسی اندر کے خدا نے ایک شدید و سخت طلوعِ آفتاب کو اس لئے نمودار کیا کہ میرے موضوعِ محبت پر چمکے، اُس کو روشن کر دے اور اُس کے وجود، ——— اس کی ہستی کو سراسر انجذاب میں تبدیل کر دے؛ اور میں اس کی روشنی میں اپنی ہستی کو پہچان سکوں!

میرے والد گرمیوں میں مجھے بمبئی سے ماتھیران لیجایا کرتے تھے اور وہاں جانے میں اگر وہ ہر ممکن عجلت سے کام لیتے تھے تو واپسی میں بھی تاخیر کا امکان ختم کر دیتے تھے۔ مختصر یہ کہ میرے سنِ شعور کا زمانہ تقریباً اسی پُر فضا پہاڑی کی وادیوں میں گزرا؛ کیونکہ سال کے بمشکل تین مہینے بمبئی میں بسر ہوتے تھے۔ شاید والد کا مخفی منشا دلی یہ تھا کہ ان کی بیٹی پرورد ہ مناظر ہو کر جیئے۔

ہمارا مکان اس نہایت مختصر پہاڑی اور آبادی کے کنارے پر سب سے الگ تھا، جہاں مناظرِ فطرت کی بیگانہ وحشی اور خودسری کے

سوا کچھ نظر نہ آتا تھا۔ میرے والد ہر صبح، اپنے سکریٹری کو لے کر کتب خانے میں داخل ہو جاتے اور دوپہر تک فلسفے سے جنگ کیا کرتے تھے۔ میں اُن کے تخلیئے اور انہماک پر اکثر حملہ کر دیتی تھی: وہ میرے پہنچتے ہی میری طرف متوجہ ہو جاتے، تبسّم ہوتے اور پھر اپنے سکریٹری پر ایک بیکسانہ نگاہ ڈالتے؛ میں یہ دیکھتی اور بھاگ جایا کرتی تھی۔ مجھے بھاگتے پھرنے سے عشق تھا: میرے کالے اور لانبے بال ہوا میں اُڑا کرتے، میں پھولوں کے ہار بناتی، اپنے تئیں طرح طرح سے سنوارتی اور پھر جھنجھلا کر اُن کو نوچ ڈالتی تھی۔ پانی کے چشمے میں گھنٹوں تیرا کرتی تھی۔ الغرض مجھے چلانے، پکارنے اور گانے کے سوا کوئی کام نہ تھا۔ میں سورج کی روشنی میں غسل کرتی، اپنے تئیں آہیں ڈ بو دیتی اور متکبرانہ افتخار کے ساتھ اپنی زلفوں کو سنوار سنوار کر بگاڑا کرتی تھی، بگاڑتی اور گاتی جاتی تھی! مگر اپنی ان تمام حالتوں میں، میں دراصل ایک پیکرِ انتظار ہی رہتی تھی: میں سوچتی تھی کہ جب وہ آنے والا آئے گا اور مجھے اسطرح کھیلتے دیکھے گا تو کس قدر حیران ہوگا! پھر مجھ میں اس تیقن کے ساتھ ہی ایک شانِ استغنا پیدا ہو جاتی اور میں باور کر لیتی کہ میں اپنے گیسوؤں کے ایک بال سے اس کے سنگین قوے کو جکڑ دوں گی، اپنے نیم صدائے تنفس سے اس کو بے زبان بنا دوں گی۔ اور وہ مجبور و مسحور ہو کر رہ جائیگا!

نازلہ، تم اس حالت کا اندازہ تصوّر کر سکتی ہو ؟ اگر تم میرے ساتھ ہمنوا نہیں ہو سکتیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ تم ایک پھول کو نکہت کے انتشار اور شہد کی مکھی کو اس پھول کی جاذبیت کا معمول ہونے سے روکنا چاہتی ہو۔

مختصر یہ کہ نازو، اگر میں اس وقت کی، اپنے عالمِ شباب کی کیفیات وحسیات کو قلمبند کروں تو ایک ضخیم جلد طیار ہو سکتی ہے اگر میں جانتی ہوں کہ اب تم اس آدمی کا حال جاننے کے لئے بیتاب ہو گی! اس لئے میں تمہیں زیادہ دیر تک بیچین رکھنا نہیں چاہتی۔ لو سنو، ہنسنا نہیں، وہ، وہ سکریٹری ہی تھا! اس میں کوئی شک نہیں کہ میں اس وقت اپنے آپ میں نہ تھی: وہ چنداں دلکش بھی نہ تھا، تاہم بعض باتیں محبت کی سفارش کرنے والی اپنے اندر ضرور رکھتا تھا۔ اس کا شباب سب سے بڑی نوید تعشق تھا! لیکن وہ نہ تو بالکل متمدن تھا اور نہ قطعی وحشی! افسوس ہے کہ اس کی زندگی کے رنگین لمحات شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو گئی تھی!

وہ فلسفے کا جویا تھا، اس لئے متین وسنجیدہ تھا، اور اسی مقصد سے میرے والد کے پاس آیا تھا۔ بعد میں انھوں نے اس کو اپنا سکریٹری بھی بنا لیا تھا۔ جب وہ پہلے پہل اپنا کرمچ کا بیگ لئے ہوئے پہنچا تو میں اس کو دیکھکر خوب ہنسی تھی، میں نے اسے ایک بیوقوف آدمی سمجھا!

اس کا نام جمالی تھا۔ وہ چشمہ بھی لگاتا تھا، مگر اس سے بھی اس کے حسن میں کوئی اضافہ نہ ہوتا تھا۔ وہ خوبصورت نہ تھا بلکہ کچھ بدصورتی کی طرف مائل تھا۔ جو کپڑے پہنتا اس سے بھی کوئی رعنائی پیدا نہ ہوتی تھی۔

پہلے ہفتے میں تو غالباً میں اس کی توہین و تذلیل کرتی رہی لیکن اس کے بعد میری محبت کی شدت نہ پوچھو! درحقیقت یہ ہے کہ جمالی پہلا نوجوان شخص تھا جس سے میں ملی۔ تم سمجھ سکتی ہو کہ بمبئی کا مختصر قیام، تاہم کی سکونت، میرے والدہ کا ہونا اور والد کا معاشرتی طور پر الگ تھلگ رہنا، یہ سب باتیں میری تنہائی و بیکسی کا سبب بن کر رہ گئی تھیں۔ پھر اس کے علاوہ ان کی محبت او رتربیت میں میں خود بھی غیر معمولی طبیعت کی لڑکی ہو گئی تھی؛ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ میرے احساسِ شباب کی عمر ابھی بہت ہی کم تھی!

ہر چند میرے والد کے پاس بعض لوگ آیا جایا کرتے تھے، مگر ان میں میری جنس کا کوئی نہ تھا: تقریباً سب کے سب کسی نہ کسی قسم کی وحشت میں مبتلا اور کسی نہ کسی خبط میں محو تھے! کوئی فلسفے میں غرق تھا تو کسی کو آثارِ قدیمہ کی دُھن تھی۔ میں جھاڑیوں کے سائے میں بیٹھ کر سوچا کرتی تھی کہ:-

"کیا دنیا سے محبت کا چلن ہی اُٹھ گیا ہے؟"

میں علمی نکات کی جو یا نہ تھی، مجھے آثارِ قدیمہ کا جنون نہ تھا، میں تو شباب کی تلاش میں، خود اپنی جستجو میں، ایک زندہ اور لو دیتے ہوئے جذبے کے پالینے میں سرگرداں تھی! میں اس شریر لڑکے کو ڈھونڈھتی تھی جس کی زرین کاکلوں میں لچھے پڑے ہوئے ہیں جس کا خمیر آفتاب کی شعاعوں سے ہوا ہے! تاکہ وہ اپنی شریر اور رسیلی ہوئی آنکھوں سے مجھے دیکھے اور نشانہ بنا کر اپنی طلائی کمان کا ایک طلائی تیر میرے دل میں بھی پیوست کر جائے!

ایک نہایت لطیف صبح، میں اپنی کھڑکی میں سے منظر کا لطف اٹھا رہی تھی: برگزارِ کوہ و دشت پر بے شمار شبنمی گوہر بکھرے پڑے تھے، میں دیکھ رہی اور گہری سانسیں لے رہی تھی۔ اس سہانے سماں نے مجھے دعوت دی اور میں سبز رنگ کا لباس، جسے میں نے رواباتِ قدیمہ کے مطابق اپنے ہاتھ سے طیار کیا تھا، پہن کر جنگل کی طرف چل دی: ننگے پاؤں، برہنہ بازو، عریاں شانے اور منتشر زلفیں، یہ میری اس وقت کی تصویر کے نمایاں خد و خال تھے۔ اس وقت مجھے کائنات کے ساتھ عشق تھا! میں نے اپنے اندر ایک شعلے کا التہاب لرزاں محسوس کیا جس کا مقتضا گہرا اغراق و محویت تھا! میں نے اپنے آپ کو

کو آزاد چھوڑ دیا اور خود کو بھول گئی۔

پہلے میں ایک اندازِ رقص کے ساتھ چند قدم دوڑی، لیکن پھر یہ خیال ہوا کہ میری آغوش تو ہنوز خالی ہے کچھ افسردہ سی ہو گئی۔

اس وقت میں اپنے اندر کے جذبے کو باہر نکال لینا چاہتی تھی، کسی دوسری ہستی پر چھا دینے کے لئے، کسی خاص ہستی پر ساری کر دینے کیلئے! میں نے نظر اٹھائی، تو جمالی مکان کی دیوار سے ٹکا ہوا مجھے دیکھ رہا تھا، گھور رہا تھا! نگاہیں ملتے ہی وہ میری طرح تبسم ہوا۔ میرا خیال ہے کہ میرے دیوانہ وار رقص نے اگر اس کے تفکر میں مداخلت بیجا کی تو اسے مسحور بھی کر دیا تھا۔ اس نے جو کچھ دیکھا غالباً وہ اسے سمجھ نہ سکا، اس کی منطق عاجز تھی! اس کی غیر متوقع حالت پر مجھے بھی سخت تعجب ہوا: میرے دل کی حرکت تیز ہو گئی؛ اور میرے خون کی حرارت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ دیکھنے والا یقیناً میرے صندلی رنگ کو گلابی کہنے لگتا۔ بہر حال کمند پھینکی جا چکی تھی اور جمالی پھندے میں آچکا تھا: وہ صرف مرد اور جوان تھا! میری نازلہ، میں پوری طرح محسوس کر رہی ہوں کہ یہ انکشاف تمہارے تخیلات کو ضرب و صدمہ پہنچا رہا ہو گا لیکن غور کرو گی تو روشن ہو جائے گا کہ جب محبت کی وجہ صرف جوانی ہوتی ہے تو اس کا پردازِ تعشق یہی ہوتا ہے، جب جذبات کا پیمانہ سرجوش

ہو جاتا ہے تو اسی طرح چھلکتا ہے، چھلکتا ہے اور ذرا سی جنبش سے چھلک جاتا ہے!

چشم زدن میں، جمالی کی ہستی میرے ذہنی تسلط میں آگئی، اس طرح کہ گویا وہ ایک مٹی کا تودہ تھا اور میرا دستِ شوق ایک صنّاع چابکدست: میں نے اپنی سریع صنّاعی سے اس کو ایک خوبصورت مجسمے میں، ایک دیوتا کی صورت میں بدل دیا! میرے ایک لمس سے اُس کا مونہہ چومنے کے قابل بن گیا، میرے ایک مَس سے اس کی آنکھیں مشعلِ نیم شبی کی طرح روشن ہو گئیں! آنِ واحد میں میرے اندر کی الوہیت نے اُسے ایک دیوتا بنا لیا! میں معترف ہوں کہ میں خود بھی اس معجزے سے حیران و ششدر ہو گئی۔ آخر میں کہاں تھی؟ مجھے کیا ہو گیا تھا کہ اُس وقت تک اس شبابِ درخشاں کو فراموش کئے بیٹھی تھی؟ اس گلِ تر کو میں نے اپنے دیوتا کے عناصرِ ترکیبی میں اب دیکھا؟

میں دل ہی دل میں اس کے نام کی تکرار کرنے لگی: "جمالی! جمالی!" اس کا ہر ہر حرف مجھے مدہوش و بیخود کئے دیتا تھا۔ میں نے اسے ایسی نگاہوں سے دیکھا جن سے محبت چھن رہی تھی۔

"ہر وقت رقص میں مشغول!" اس نے کہا "تمہیں تعجب ہے؟" میں نے کہا۔ "تم آج کدھر نکل آئے"

میں اس کے قریب ہو گئی اور مطلق نہ جھجکی۔ لیکن دفعتاً والدکل آئے اور بولے :-

"لوسیکا، ناشتہ ٹھیار ہے"۔

"میرا جی نہیں چاہتا۔ خدا حافظ!" میں نے چلا کر کہا۔

انھوں نے سر کے اشارے سے اتفاقِ رائے کا اظہار کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ میری کیفیاتِ قلب کو بخوبی سمجھ رہے تھے۔ میں نے پھولوں اور پتیوں کا ایک گجرا بنا کر اپنے سر کو سجایا؛ پھر اس تاج کو بھی پھینک دیا اور فرشِ سبزہ پر گر گئی۔

بالآخر میں گھر کے اندر گئی اور اپنی پلنگڑی پر جا گری اور مجھے نیند آگئی۔ جب میں پھر جاگی تو میرا چھوٹا سا کمرہ شبستانِ موسیقی معلوم ہونے لگا؛ اور ایک ایسی روشنی سے منور نظر آیا جو ضیائے خورشید سے زیادہ عجیب تھی! مگر میرے سارے جسم میں ایک سنسناہٹ سی تھی: میں محبت کرنے لگی تھی، میں ایک عمر کا کام ختم کر چکی تھی!

"جمالی" میں نے پھر دُہرایا۔ آئینے کے سامنے گئی اور اپنے گالوں پر خشکیدہ آنسوؤں کے نشان دیکھ کر متعجب ہو گئی۔ میں نے اپنے عکس سے چپکے سے کہا :

"آج میں اپنے محبوب کی خاطر اپنے تئیں سنوار دوں گی!"

چنانچہ میں نے اپنے بالوں کو نہایت حسین وضع پر آراستہ کیا اور نہایت نفیس و نازک لباس نکال کر اپنی زیبائش کی۔ ایسے کپڑوں کو میں با لآخر آن پہنچ کر خدا حافظ کہہ دیا کرتی تھی۔ اس وقت کی میری پھبن دیکھنے کے قابل تھی!

کھانے کا وقت ہو گیا تھا۔ میں آہستہ آہستہ کھانے کے کمرے میں داخل ہوئی اور اپنی کرسی پر بیٹھ گئی۔ والد نے مجھے غور کی نگاہ سے دیکھا اور حسب معمول مسکرا کر کھانے میں مشغول ہو گئے۔ جمالی نے مجھے ایک مرتبہ بھی نہ دیکھا! وہ اس وقت کی کیفیتوں کو نہایت بھدی طرح نظر انداز کرتا رہا۔ شاید وہ حقیقت کی گہرائی کو دریافت کرنا چاہتا تھا! میں نے اُسے گھورا! لیکن ایک بچے کی طرح جو ڈانٹ دیا جائے، میں پھر خاموش ہو گئی۔ کھانا کس سے کھایا جاتا تھا؛ مجھ پر ایک شدید خشمگینی طاری ہو گئی۔ میں یکایک اُٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی اور وہاں پہنچ کر خوب روئی۔ اور نازکہ تمھاری طرح، میں بھی اس وقت جینے سے خفا تھی!

تھوڑی دیر بعد میرے حواس درست ہو گئے۔ اب میں اپنے حزن کی تسیر یوں میں تحلیل ہو رہی تھی: میں نے جانا کہ "محبت کو پاکر نہ پانا!" کیا معنی رکھتا ہے! میں دریچے میں جا بیٹھی اور بیوفائیوں

کے تذکرے میرے ذہن میں تازہ ہوگئے، زندہ ہوگئے! میں انھیں خیالات میں محو بیٹھی رہی، یہاں تک کہ رات ہوگئی۔ کھانے کی اطلاع ملی اور میں الم زدہ خموشی کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی۔ لیکن میرا یہ متالم انداز بھی بے نتیجہ تھا؛ کیونکہ دونوں آدمیوں میں سے ایک نے بھی میری طرف توجہ نہ کی۔ میں پھر اپنے حجلۂ خیال میں داخل ہوگئی۔ میری مایوسانہ حالت دماغ میں ایک طلاطم تھا۔ میں نے ہرچند سکون حاصل کرنے کی کوشش کی مگر کچھ سودمند ثابت نہ ہوئی۔ میری نگاہوں کی مضمحل اور بے رونق ہنسی بھی بیکار گئی۔ والد اٹھ بیٹھے کہ ان کو کسی نہایت اہم مسئلے پر غور کرنا تھا۔

وہ چلے گئے اور کمرے میں بالکل خاموشی ہوگئی۔ ہم دونوں خاموش تھے اور تنہا! میں اسے گھور رہی تھی، وہ گردن جھکائے بیٹھا تھا اور صرف سوچ رہا تھا! میری رگوں میں جوانی کا خون کف پیدا کرنے لگا۔

میرے غصے کی کوئی انتہا نہ تھی؛ کیونکہ جمالی اس لمحے کی موسیقی و شعریت کو تباہ کئے دے رہا تھا۔ مگر اس کا شباب اور قوت! ان دو لفظوں نے میری ساری ہستی کو اپنی جاذبیت کے لئے وقف کر لیا تھا، اور میں غصہ بھی نہ کر سکتی تھی۔ میرے جذبات میں سخت

طغیانی تھی۔ "اگر وہ میرے ساتھ معاشقے کی ابتدا نہیں کرتا تو میں ہی پیش قدمی کروں گی !" میں نے اپنے آپ سے کہا۔

نازو پیاری، ذرا میری ان جرأتوں پر غور کرو! مجھے اپنی اس حرکت، اس دلیری کا احساس ہوا اور سامنے کے آئینے میں، میں نے اپنے چہرے کو سرخ ہوجاتے دیکھا۔ بہرنوع میں نے اپنے دیوتا کو اب قفس میں بند کرلیا تھا، جس سے میں اپنا دل بہلا سکتی تھی ! غریب جمالی کا رنگ فق ہوگیا تھا۔ غالباً تم بھی تسلیم کروگی کہ اس کے لئے ایسا ہونا ایک طبعی امر تھا !

"مسٹر جمالی کچھ شعروسخن سے شوق ہے ؟ میں نے دریافت کیا۔

"کچھ یوں ہی سا !"

"کس کا کلام مرغوب ہے ؟" میں اس کی طرف ذرا جھک گئی اور میری آواز سرگوشی سے کچھ ہی بلند تھی۔

"میں نے کبھی کسی کا کلام خاص شوق سے نہیں پڑھا۔"

اس نے اِدھر اُدھر دیکھا، گویا نکل بھاگنے کی کوشش میں تھا۔ پھر رومال نکال کر موہنہ پر پھیرا اور گھبرائی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔

"انسان محبت کرکے بیوقوف سا ہوجاتا ہے !" میں نے کہا۔

میرے دل میں ایک قسم کی سنسناہٹ پرورش پا رہی تھی۔ میں نامعلوم طریق پر ایک شعلے کو ہوا دے رہی تھی: شاید اس لئے کہ میرے ہیجان کی آگ پوری طرح بھڑک اُٹھی تھی، میرے ہونٹوں میں لرزش پیدا ہو گئی۔ میں اور جھک گئی اور میری آواز دور سے آنے والی موسیقی میں بدل گئی۔

"تمہیں بھی کبھی کسی سے محبت ہوئی؟" میں نے سوال کیا۔

وہ مجھے نہایت غور سے دیکھنے لگا اور ایک سحر زدہ کیطرح خاموش ہو کر رہ گیا۔ یقیناً اُس نے مجھے کوئی وحشت زدہ ہستی سمجھا: ایک کنواری لڑکی، ایسی تنہائی میں، کسی مرد سے نزدیک ہو کر، اختلاط آمیز گفتگو کرے! ضرور باعثِ حیرت ہو سکتا ہے۔

"مجھے؟ جی نہیں! میرے پاس اتنا وقت ہی نہ تھا۔ میں ہمیشہ اپنے مطالعے میں مصروف رہا۔ آپ سمجھ سکتی ہیں کہ مطالعہ کسقدر متانت طلب ہے؟"

وہ بھی ایک اندازِ التفات کے ساتھ جھکا اور میرے اندر پھر سنسناہٹ دوڑ گئی۔

"کیا آپ میری جد و جہد کا حال سننا چاہیں گی؟" اُسنے پھر کہا۔ "سننا چاہوں گی؟" کیسا عجیب سوال تھا: میرا تو سامعہ، باصرہ،

روح و دل، سب سراپا شوق بن کر اس کی طرف متوجہ تھے !
اس نے اپنے اور اپنے خاندان کی تاریخ دُہرائی۔ مگر اس داستانِ مصائب میں ایک موقع بھی ایسا نہ تھا جسے روماں سے بعیدی تعلق بھی ہو ؛ ایک لمحہ بھی ایسا نہ تھا کہ اس نے اپنے آپکو آزاد کیا ہو ؛ اس کا ہر ہر لفظ میری محبت کو مجروح کئے دے رہا تھا۔ میری خستگیٔ دل کے لئے یہ بس تھا کہ جو شے میرے قلب میں اُمنگ پر تھی وہ اُسے مجروح کر رہا تھا ! میں اُٹھی۔ وہ بھی اُٹھا۔ ایک لمحہ ہم دونوں برابر برابر کھڑے رہے : اور میری نگاہِ شوق نے پھر اُسے تمام خوبیوں کا پیکر بنا دیا۔
"مسٹر جمالی، کیا ہم دونوں آپس میں دوست نہیں ؟" یہ کہکر میں نے ہاتھ بڑھا دیا۔ اس نے اُسے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس کا ہاتھ گرم تھا۔ مجھے دیکھا اور کچھ شرمایا سا نظر آیا۔
نازلہ پیاری، اس واقعے کے بعد کا جائزہ دینا ممکن نہیں !
مختصراً یوں سمجھ لو کہ میری کیفیات و حالات کا تلون جاری رہا :
میں کبھی تو اُداس ہو جاتی اور خواہش کرنے لگتی کہ وادیٔ نیل کا کوئی سانپ مجھے بھی غفلت کی نیند سلا دے، اور کبھی ہنسنے لگتی اور گانے میں سرمست ہو جاتی۔ کبھی مجھے اُسکی محبت کی طرف سے مایوسی

ہونے لگتی، اور کبھی میں اس کے مفتوح ہو جانے کے خیال سے مغرور ہو جاتی!

وہ مجھے اپنے مستقبل کی تجویزیں سناتا اور میں اس پر چشمے کا پانی اچھالنے لگتی۔ وہ میری اس حرکت پر خاموش ہو جاتا، مجھے گھورتا اور میں چاہتی کہ اُسے اس طرح جھنجھوڑوں کہ اس کا جمود ایک اضطراب و التہاب سے بدل جائے، مجھ سے حقیقی اور شدید معاشقہ کرنے لگے، جس میں اس کی آئندہ زندگی کے منصوبوں کو مطلق دخل نہ ہو!

اس نے فلسفے پر ایک مقالہ لکھا تھا؛ ایک دن مجھے سنانے لگا؛ میں اُٹھ کر چلدی؛ اُسے سخت رنج ہوا۔ پھر میں نے اس کی رضا جوئی کی اور وہ کسی دوسرے وقت سننے کے وعدے پر خوش ہو گیا۔

ایک دن خوب پانی برس رہا تھا، میرے ہیجان میں بھی جوش آیا: میں تعطل سے گھبرا گئی اور حرکت کی طلبگار ہو لی۔ والد حسب معمول مشغول تھے۔ اس وقت تو میں اندھی ہو گئی تھی مگر آج سوچتی ہوں کہ جو محبت مجھے اُن کے ساتھ تھی وہ اور میرے اندر کی باقی تمام محبت، ان کے سکریٹری میں منتقل ہو گئی تھی۔ جمالی دروازے میں کھڑا ہوا، لفظاً، برسات کا لطف اٹھا رہا تھا۔

وہ کچھ ملول سا معلوم ہوا۔ میں اُس کے پاس گئی اور کہا:۔

"چلو سیر کریں"

"اس بارش میں ؟" اُس نے جواب دیا اور مجھے اس طرح دیکھا کہ گویا میں پاگل ہو گئی تھی۔

"کیا تم ڈرتے ہو ؟"

"نہیں تو !" "تو پھر چلو تیار ہو جاؤ۔ میں ایک منٹ آتی ہوں"

میں اپنا بوٹ پہننے اور برساتی لینے چلی گئی۔ مگر میں نے سنا:۔

"مجھے مس نوشابہ کیسا تدبیر کو جانا چاہیے ؟"

"کیوں ؟ کیا حرج ہے ؟" میرے والد کی آواز آئی۔

میں اُس کے اس سوال کی حماقت پر خوب ہنسی، میرے جسم کا ریشہ ریشہ ہنس رہا تھا۔ غرض ہم دونوں نکل گئے اور خوب بھیگے۔ جنگل اور پہاڑ پانی کی چیزیں معلوم ہوتے تھے۔ دشت و بہ گزار حسب دستور واقعاتِ حسن و عشق کا اعادہ کر رہے تھے، ابتدائے آفرنیش سے جھاڑیوں اور کنجوں کے اندر، رخنہ انداز نگاہوں سے بچ کر، کیوپڈ کے مندر پر اپنے ہدایائے بوسہ پیش کرنیوالوں کی یاد دلا رہی تھی! ایک چٹان کے کنارے پر ہم دونوں کھڑے ہو گئے۔ وہ

وہ میرے برابر ہی کھڑا تھا۔ اس کا تنفس بھاری تھا۔ میری اچھی نازلہ میں اپنا دل اس کاغذ پر کس طرح نکال کر رکھ دوں؟ تمہیں یہ بتانے کے لئے کہ صرف یہ لمحہ گزرا ہے جسے میں اپنی زندگی سے تعبیر کر سکتی ہوں: میں اپنی ہستی کے تمام تر احساس کے ساتھ اس کی جانب مائل تھی، اسکی طلبگار تھی، اس سے مل جانا، اس میں مدغم ہو جانا چاہتی تھی!
میں آرزو کر رہی تھی کہ اس کے بازو کشادہ ہو کر مجھے اپنے حلقے میں لے لیں اور پھر آپس میں مل جائیں ——— اس طرح کہ گویا وہ خلا پیدا ہوا ہی نہیں! میری سانس رُک کر چلنے لگی، اس میں حرارت بڑھ گئی، مگر وہ دوسری جانب دیکھنے لگا اور وہ لمحہ پرواز کر گیا!
"چلو گھر واپس چلیں!" میں نے اُس سے کہا مگر میرے غصے کی کوئی انتہا نہ تھی۔
"ہاں بہتر تو یہی ہوگا۔ ہم دونوں بالکل منزابور ہوگئے ہیں!" وہ کچھ نہ سمجھا اور روکھی آواز سے کہنے لگا۔
تم بھی کہتی ہو گی کہ عجیب قسم کا آدمی تھا! نازلہ، وہ نہ صرف ایک عجیب قسم کا آدمی بلکہ پتھر کا ٹکڑا تھا! ہم واپس ہوئے۔ میری رفتار سے بھی غضبناکی کا اظہار ہو رہا تھا۔ ایک جگہ راستہ تنگ تھا، یہاں میرے جذبات نے پھر پلٹا کھایا۔ میں رُکی اور اس سے کہنے لگی:-

"آؤ دیکھیں ہم دونوں میں کون زیادہ قوی ہے!"
"زیادہ قوی! کیونکر؟" وہ کچھ کھو سا گیا اور کہنے لگا۔
"تم میرے ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچو اور میں اپنی طرف!"
میں نے کہا اور اس کے ہاتھ پکڑ کر کھینچنے لگی۔
اس کشاکش میں میں ایک غیر محسوس طریقے سے اس کی طرف کھینچنے لگی، اس کی آغوش تک پہنچ گئی! پھر ہم اکٹھ بیٹھے میں نہایت مسرور گھر پہنچی۔ سب سے پہلے میں اپنے کمرے میں آئینے سے دریافت کرنے لگی کہ آیا گھنٹہ بھر پہلے کی نوشابہ اور مجھ میں کوئی فرق تھا؟ کیونکہ میں ایک عظیم تغیر کی متوقع تھی!
میرے بالوں سے پانی نچڑ رہا تھا۔ اس کی آغوش کی لذت تازہ تھی اور جانتی ہو میں نے اُسی کو ایجاب تعبیر کیا اور اپنے تئیں حیا کی سے منسوب باور کر لیا؟ "تازہ" اس تجربے کے بعد میں تمہارے اس خیال سے متفق نہیں ہو سکتی کہ معاشقے کی ابتدا مرد ہی کی جانب سے ہونی چاہیئے!
اس کہانی کا باقی حصہ سننے پر اگر کسی کڑھی کے گم ہونے کا خیال ہو تو سمجھ لینا کہ وہ تمہاری رسائی سے باہر ہے: اگر انجام کو دلگداز و جاں گسل کہنا جائز ہو سکتا ہے تو ہو، میرا تو عقیدہ ہے

کہ محبت کا تنہا انجام یہی ہے، اس کے سوا کوئی دوسری صورت ہے ہی نہیں! محبت کی زندگی صرف ایک لمحے کی ہے! لیکن وہ طبیعتیں جو محبت کا حامل ہونے کی صحیح استعداد رکھتی ہیں، اس لمحے کو غیرفانی بنا کر اس میں ابدی وسعت پیدا کر سکتی ہیں! چنانچہ میری زندگی، محبت کا وہ لمحہ، ختم ہونے والا تھا اس لئے وہ بہت جلد اپنے عروج پر جا پہونچا۔

اس کے چند روز بعد، ایک دن والد کو کہیں جانا تھا، وہ چلے گئے۔ کھانے کے وقت ہم دونوں اکیلے تھے۔ میں برابر اس کو دیکھتی رہی اور اس حالت میں میرے رخسار رہ رہ کر رنگ بدلتے رہے۔ سامنے کا آئینہ مجھے بتا رہا تھا۔ میں جمالی کے برابر والی کرسی پر جا بیٹھی۔ باہر کا مطلع ہر چند کثیف تھا مگر میری دنیائے خیال کا آسمان منور و انجبین تھا! میں دنیا کو زیادہ حسین دیکھ رہی تھی۔ اس لمحے کو جو معراجِ محبت کی ساعت ہے بجا طور پر حیاتِ جاوید سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے میں اس لمحے کی لذت اندوزی کیلئے اپنے تمام محسوسات کے ساتھ زندہ تھی! میں حیاتِ نعا منثر کے خواب دیکھنے لگی اور پھر جمالی کی طرف دیکھ کر ہنس پڑی۔ وہ بھی مسکرایا اور جھجکا۔ میں بھی جھجک گئی اور اپنا ہاتھ اس کی گردن میں

میں ڈال دیا۔ اس نے اُسے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔
"جمالی!" میں نے آہستہ سے کہا۔
"میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"
"جو تمہارے دل میں ہے، میرے علم میں ہے —— ہم ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں!"
"یہ تو ٹھیک ہے، مگر ——"
"مگر کیا؟"
"ہوں!" وہ کچھ اور کہہ ہی نہ سکا۔
لذت و انبساط انتہائی بلندی پر پہنچ چکے تھے، ادرعمل لازمی تھا
"میں صبح وطن جاؤں گا!" وہ بہ وقت تمام کہہ سکا۔
"کوئی حادثہ پیش آیا ہے؟" میں نے کمال حیرانی میں سوال کیا۔
"نہیں، میں یہ اطلاع پہلے سے دینا چاہتا تھا۔"
"لیکن جس غرض سے تم آئے تھے؟"
"وہ پوری ہو چکی ہے!"
"مگر والد کو تو ایک سیکریٹری کی بہرحال ضرورت ہے!"
"ہاں، وہ تو چاہتے ہیں مگر میں ہٹ نہیں سکتا۔ مجھے فلسفے کی ڈگری لینی ہے!"

"فلسفے اور ڈگری کو چولھے میں ڈالو! آہ جمالی تم مجھ سے محبت نہیں کرتے؟"

"مجھے محبت تو ہے ——"

"تو پھر کیوں جاتے ہو؟"

"واقعہ یہ ہے کہ میں ٹھہر نہیں سکتا۔"

میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ بھی متاثر ہوا۔ اُس نے مجھے اپنی طرف کھینچ لیا۔ اور میرے ہاتھ اس کا حلقہ گردن ہو گئے۔ میں سمجھی کہ اس مسرت سے جانبر نہ ہو سکوں گی۔

"پیارے جمالی! نہیں رہو، مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ!"

"کاش میں ٹھہر سکتا!"

میرے والد آ گئے۔ میں جلدی سے علیحدہ ہو گئی۔ جمالی فوراً کمرے میں سے چلا گیا۔ اور والد کرسی پر لیٹ گئے۔

"کیا بات ہے، نوسیکا؟"

"مجھے تو آپ سے بہت کچھ کہنا ہے۔" میں اُنکی کرسی کے برابر بیٹھ گئی۔

"ہوں!"

میں نے اُنسے سارا حال کہہ دیا۔ اُنکی گردن کو خفیف سی حرکت

ہوئی اور بولے :-

"میرا ایکریٹری حل مسائل میں میرا ساتھ نہیں دے سکا!"

اس وقت میں نے جمالی کو اپنے باپ کی نظروں سے دیکھا اور میرے خیال کا طلسم باطل ہونے لگا۔ میں اب اپنے والد سے پھر محبت کرنے لگی تھی اور جو جگہ میرے دل میں خالی ہوئی تھی اسکو میں نے پھر اُن کی محبت سے بھر لیا۔

صبح میں نے جمالی کو رخصت ہوتے نہ دیکھا، کیونکہ میں نے رات کو اس قدر آنسو بہا دئے تھے کہ ہنگام رخصت پیش کرنے کو میرے پاس کوئی موتی نہ رہ گیا تھا!

"نوسیکا، اب کیا حال ہے؟" چند دن بعد میرے والد نے پوچھا۔

"حال کیا ہے؛ میں محبت کی زندگی ختم کر چکی ہوں۔ اب مجھے کبھی محبت نہ ہوگی۔ مجھے اب اسکی ضرورت نہیں رہی"

وہ ہنسے اور مجھے پیار کیا۔

اچھی نازلی، یہ تھا میری حیاتِ معاشقہ کا افسانہ، میرا ارمان مجتبا اس کو پڑھ کر اپنے دل کو تسکین دو۔ جلدی نہیں، مگر کچھ عرصے کے بعد مجھے اپنے محسوسات کی کیفیت لکھنا، کہ تم میرے دل یعنی ایک ربابِ شکستہ کی صدا سے کس درجہ ہم آہنگ ہو؟

"ہمیشہ تمہاری" نوشابہ ۱۹۲۲ء

قربان گاہِ وطن

احمد اسمٰعیل جب ضعیف ہو کر ڈپٹی کلکٹری سے دست بردار ہوئے تو انھوں نے اپنی مناسبتِ طبع کے لحاظ سے کوہ مسوری کے دامن میں، راج پورہ کے نزدیک سکونت اختیار کر لی۔ ان کا خاندان عبارت تھا ایک لڑکی اور ایک بھانجے سے؛ اور چونکہ ان کے لئے کسی مشغلۂ تنہائی کی ضرورت تھی اور اس کے علاوہ اسکول اور کالج کے طریقۂ تعلیم کو ناقص بھی سمجھتے تھے، اس لئے ان دونوں بچوّں کو وہ خود ہی تعلیم دیا کرتے تھے۔ اور چونکہ وہ جمالی، اپنے بھانجے، کو سرکاری ملازمت میں داخل کرنا چاہتے تھے اس لئے امتحان پاس کرانے بھی ناگزیر تھے۔

احمد اسمٰعیل کا مکان دامنِ کوہ کے ایک پُر فضا مقام پر واقع تھا۔ مکان کے قرب و جوار میں گھنے اور شاداب درختوں کا جنگل تھا اور سامنے ایک وسیع میدان، جو ہمیشہ نیرنگِ بہار کا حسین ترین منظر پیش کرتا رہتا تھا! اور اس کے وسط میں ایک چھوٹا سا چشمہ بہتا تھا۔ جمالی اور تسنیم اوقاتِ تعلیم کے بعد چشمے کے کنارے دشت و مرغزار

میں اپنا وقت گزارا کرتے تھے۔ چشمہ صاف و شفاف تھا، لیکن تسنیم کی آنکھیں اُس سے زیادہ پاکیزہ تھیں۔ ان دونوں کی معصومانہ زندگی کی پُرسکون بے خبری میں حوادثِ عالم میں کوئی سنجیدہ تغیر پیدا نہ کر سکتے تھے۔ لبِ آب بیٹھ کر، تہ نشین بلور پاروں کو جو اپنی آب و تاب سے موتیوں کو شرماتے تھے، دیکھتے رہنے سے ان دونوں کو عشق سا ہو گیا تھا۔ سطح بسیط پر فراشِ قدرت نے وہ قالین بچھا دیا تھا، جس کی زمردین زمین پر، سفید و زرین، زرد و یاقوتی، ارغوان و بنفشہ رنگ کی گلکاریاں صناعی فطرت کا وہ نمونہ پیش کرتی تھیں، جس کے نظارے سے انسانی متخیلہ مبہوت ہو کر رہ جاتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس منظر خاموش میں ان معصوم روحوں کے لئے محبت اور قدرتِ الٰہی کے بہت سے راز مضمر تھے۔

(۲)

جمالی اور تسنیم کو ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر، اس حسین سرزمین پر زندگی بسر کرتے ہوئے کئی سال گزر چکے تھے، اور یہ وقت وہ تھا جب کیوپڈ نے اول بار ان کے ننھا منھا سا دل کا جائزہ لیا۔

تسنیم کی عمر کا پندرھواں سال تھا، اور جمالی کا بیسواں۔

یہ دونوں شام کے وقت چشمے کے کنارے ایک گھنے درخت کے محبت طلب سائے میں بیٹھے ہوئے پانی کے اندر اپنے عکس توام کے تماشے میں محو تھے، اور وہاں سے آنے کے بعد گویا ان دونوں کا نطق زائل ہو گیا تھا، گویائی گم ہو چکی تھی! انھوں نے پانی کی تہ میں سے محبت کے دیوتا کا پُر اسرار مجسمہ نکال کر اپنے عمق دل میں قائم کر لیا تھا! اب اُن کے لئے، کائنات میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہو گیا تھا، اور انھیں وہ درخت بھی جو پھول سے معرّا تھا، گلہائے اخضر آسا سے لدا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ فرشِ زمردین نے ان کے باصرہ کیلئے اب گہرا رنگ اختیار کر لیا تھا، اور ایک سفید پھول بھی اب اُنھیں رنگین نظر آتا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ چشمے کی تہ میں سرخ و سفید پارہ ہائے بلورین میں جان پڑ گئی ہے وہی چشمہ جسے وہ خموش و ساکت سمجھا کئے تھے، لبریز تکلم نظر آتا تھا! ان کے سامنے کیلئے عجیب و غریب نغموں سے لبریز تھا! گویا کرشن کی عشق نواز بانسری نے اپنی ساری نغمہ آفرینی اُسے بخش دی تھی! چشمہ کا نشید و ترنم شیریں تھا، مگر تسنیم کی آواز اُس سے بھی زیادہ شیریں تھی!

تسنیم کا حسن معصوم، تصنع سے اتنا ہی بیگانہ تھا جتنا اُس فضا کے پھولوں کا حسن و رنگ، جن کے درمیان رہ کر تسنیم جوان ہوئی تھی۔ یہی باعث تھا کہ جب محبت کا دورِ اول ختم ہوا، وہ محبت جس نے اُس کے دل کو روشن کر دیا تھا، تو اُسے ایسا کوئی ذریعہ و طریقہ معلوم نہ تھا جس سے وہ اپنی اس محبت کو پوشیدہ رکھ سکتی۔ وہ نہایت سادگی کے ساتھ جمالی کے پہلو بہ پہلو، اپنے دل کے عمیق ترین گوشوں کا جائزہ لیتی رہتی اور اُسے مطلق خبر نہ ہوتی تھی کہ وہ کیا کر رہی ہے۔

اب یہ دونوں، دلوں کے اندر اور نگاہوں کے سامنے انقلاب پر بحث کیا کرتے تھے۔ زندگی کے اس انقلاب پر بھی ایک سال کا عرصہ گزر گیا۔ احمد اسمٰعیل نے اس جوڑ اپنے محبت کو دیکھا اور ایک اطمینان آمیز سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ مگر انسانی مسرتوں کی تعمیر ریگ پر قائم ہوتی ہے۔ اس کی دور بین نگاہیں اس حقیقت کو نہ دیکھ سکتی تھیں۔

تسنیم اور جمالی کے اوقاتِ تفریح میں، افقِ بعید پر، قرمزی اور زرین بادلوں کی شعلہ سامانیوں پر، ایک کثیف اور تاریک ابر بھی نظر آتا تھا۔ اور آخر کار یہ ابر اب نیچا ہوتا

شروع ہوا، اور اُن کے مطلع خیال پر محیط ہوگیا!

(۴)

احمد اسمٰعیل کے یہاں اخبار تو قریب قریب سب ہی آتے تھے، مگر وہ خود اعتدال پسند خیالات کا آدمی تھا۔ تسنیم اور جمالی، اپنے رجحان طبعی کے لحاظ سے قوم پرست واقع ہوئے تھے؛ چنانچہ جب کبھی احمد اسمٰعیل کی زبان سے کوئی فقرہ قوم پرست طبقے کی بُرائی میں نکل جاتا تو ان دونوں کو ازحد ملال ہوتا تھا اور تنہائی میں اُس پر نکتہ چینی کیا کرتے تھے۔

ترکِ موالات کی تحریک شروع ہوکر قومی ہوتی جارہی تھی، اور ان دونوں کے خیالات بھی بلند ہورہے تھے۔ اب چشمے کے کنارے کی صحبتیں سیاسی بحث کے لئے وقف تھیں۔ لیکن اس سیاسی گفتگو کی اصل بنیاد ان کا جذبۂ محبت ہی تھا۔ تسنیم کی آرزو تھی کہ وہ جمالی کو خدامِ وطن کی صفِ اوّل میں دیکھے، اور وہ اپنی اس تمنا کا اظہار بھی کردیتی تھی۔ جس کو سنکر اُسے پورا کرنے کے لئے جمالی سیماب وش بے قرار ہوجاتا تھا۔

جمالی بی۔ اے میں داخل ہونے کے لئے علی گڑھ

جا رہا تھا۔ روزِ مفارقت سے قبل کی شام کو دونوں کے پیمانہ ہائے محبت چھلک گئے، اور جو اظہارِ محبت اس وقت تک استعاروں اور کنایوں میں ہوتا تھا بر ملا ہو گیا۔ تسنیم نے چشم گہربار کیسا تھ کہا۔ "ہم نے کائنات میں ایک انقلاب دیکھا ہے، اس لئے دوسرے کے لئے بھی طیار رہنا چاہئے، پہلا انقلاب سرورِ تمناؤں کی شکل میں ظاہر ہوا تھا؛ دوسرا معمورۂ دل کی خرابی کی صورت میں رونما ہوگا"

یہ اس کی بداہت تھی۔ وہ سہمی ہوئی تھی، اور اپنے اس خطرے کی بار بار تکرار کر رہی تھی۔ جمال کی نے اُسے نسوانی کمزوری خیال کیا وہ عورت کے ان حیات سے باخبر نہ تھا جو واقعات مستقبل کو معلوم کر لیتے ہیں۔ اور تسنیم سے خطرات کا نیلا ہر آسے کوئی امکان نظر نہ آتا تھا اس لئے وہ ہنستا تھا اور تسنیم اور زیادہ مغموم ہوتی تھی۔ جمال کی جب روانہ ہونے لگا تو اس کے پہلو میں دل کی جگہ ایک وزنی پتھر تھا۔

(۵)

وہ علی گڑھ پہنچ گیا اور چند ہفتے گزر گئے۔ مکتوبِ محبت کا تبادلہ ہوتا رہا جن کا موضوع غالب قومی تحریک تھی۔ ترکِ موالات کے ذیل میں قومی کشتی کے ناخدا علی گڑھ آئے۔ جامعہ ملیہ

قائم ہو گئی ؛ اور جمالی بھی پکی بارک کی خوشنما عمارت کے آراستہ کمرے کے آرام کو قوم پہ قربان کر کے جامعہ کا ایک بوریا نشین طالب علم بن گیا۔

اس نے اسی روز ایک خط اپنے ماموں اور تسنیم کو لکھا یہ خط پا کر احمد اسمٰعیل کی برہمی و ناراضی کی کوئی انتہا نہ رہی اور اُسے نہایت صدمہ ہوا۔ تسنیم ہرچند پہلے ہی سے خطرات کا ایک صید زبوں بنی ہوئی تھی، تاہم اس کی طبیعت میں سکون تھا، ایک اطمینان تھا۔ اُس نے جمالی کو خط لکھا۔

" اگرچہ میرے خطرات اب شدید تر ہو گئے ہیں اور تم سے اس زندگی میں دوبارہ ملنے کی اُمید اگر چاہتی بھی ہوں تو میرے دل میں پیدا نہیں ہوتی ؛ کیونکہ ابا جان تمہاری صورت سے بیزار ہیں .... ان کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تم اب یہاں کبھی نہ آؤ گے۔ لیکن تمہیں اس کی کچھ پرواہ نہ ہونی چاہئے۔ مادرِ وطن کے حقوق اعزا و اقربا سے کہیں زیادہ ہیں۔ ذلیل و خوار ہو کر وطن پر جان نثار کر دینا، غدار و وطن فروش ہو کر اعزاز و مرتبت حاصل کرنے سے اتنا ہی افضل و اعلیٰ ہے جتنا زمین کے مقابلے میں آسمان .... میں مطمئن ہوں

اور خوش، کہ تم وطن کے حقوق پہچانتے ہو، اور اُن کے ادا کرنے کے لئے طیار ہو .... خدا تمہارے ارادوں میں برکت اور استقلال دے! اور تمام وطن پرستوں کے ساتھ تمہاری مساعی بھی مشکور ہوں .... میں سخت علیل ہوں اور خیال راسخ یہی ہو کہ میں اس زندگی میں تم سے نہ مل سکوں گی میری موت کا حیلہ ہوگا۔ مگر اس حالت میں بھی میری روح کامل اطمینان کی حالت میں باغِ جنت میں تمہارا انتظار کرے گی۔

"اس دنیا میں تمہارے دیدار سے محروم رہی بھی تو دوسرے عالم میں تو دنیا والوں کی حکومت نہیں ہے۔ وہاں تو کسی انسان کا حکم نہیں چلے گا! .... یاد رکھو کہ ہمارا حقیقی عقد چشمے کے کنارے ہو چکا ہے اور وادیِ حسین کا ہر ذرہ اور ہر پتی اسکی شاہد ہے! ...."

(۶)

تسلیم کی اس تحریر نے جمالی کی اُمیدوں اور عزائم کے ساتھ جو سلوک کیا اس کا اندازہ بہت مشکل ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے اُس کا ذہن ماؤف تھا اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا۔ اور جب اُسے کچھ ہوش آیا تو وہ زندگی سے بیزار تھا۔ چاہتا تھا

کہ اپنا سر دیوار سے ٹکرا کر پاش پاش کر ڈالے! جسم کو پارہ پارہ کر دے! لیکن تسنیم کی خواہش تھی کہ وہ قوم و وطن کا حق ادا کر کے سرخرو ہو اور وہ چاہتا تھا کہ تسنیم کی رضامندی حاصل کرے! چنانچہ اُس کے لئے ایک یہی راہ عمل تھی کہ مادرِ وطن کی صدا پر لبیک کہے۔ لیکن جب وہ اس تحریر کے پہلے حصے کا خیال کرتا تھا تو بیتاب ہو جاتا تھا۔

اسے تبلیغی خدمت کے لئے اِدھر اُدھر جانا پڑا اہر چند اُس کا دل اب کسی کام میں نہ لگتا تھا، لیکن تسنیم کے خیال کی برق جہندہ اُسے نئی قوتِ عمل سے معمور کر جاتی تھی بارہا ایسا ہوا کہ کسی مجمع کو مخاطب کرتے وقت اسکی آواز پست و نحیف اور بے روح تھی، لیکن اس خیال کے آتے ہی کہ جب تسنیم اس کی تقریر اخباروں میں پڑھے گی تو کیا کہے گی، اس کا جوش خدمت اور سحر بلاغت اُمنڈ پڑتا تھا، بہہ نکلتا تھا!

ایک عرصے تک اُسے تسنیم کا کوئی خط نہ ملا، اور محبت کی وسوسہ پروری نے اُس کی حالت نہایت ابتر بنا دی اُس کے پاس تسنیم کی خیریت معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ وہ خوب جانتا تھا کہ وہ اگر خود گیا تو اس کی پذیرائی کس طرح ہو گی،

اسے یقین تھا کہ ماموں جان اُسے وہاں کی فضا میں ٹھہرنے بھی نہ دیں گے۔ لیکن یہ سوال پھر بھی قائم رہتا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہیئے؟ تسنیم کا خط آئے ہوئے چھ مہینے گزر چکے تھے اور اُس کی بیماری کے طویل ہو جانے کا خیال جمالی کے لئے سوہانِ روح بنا ہوا تھا۔ اُس کا دل غم و الم سے ہلاک ہوا جا رہا تھا، اور تسنیم کی حسرت نصیبی کا خیال اُسے دیوانہ بنائے دے رہا تھا۔ اس کا دل بار بار تقاضا کر رہا تھا کہ اڑ کر تسنیم کے پاس پہنچ جائے اور اُسے تسلی دے۔ اس بے وجہ مایوسی کو اُس کے ذہن سے محو کر دے۔ لیکن ماموں کا خیال اُس کے جوش کو سرد کر جاتا تھا۔ جمالی نے ایک پوری رات محبت کے تقاضوں اور جذبات کی کشمکش میں جاگ کر کاٹ دی۔

صبح اُس نے سفر کی طیاری کر دی اور پہلی ٹرین سے روانہ ہو گیا۔ راستہ خیال اور جذبات کی کس کشاکش میں گزرا؟ بجائے خود ایک داستان الم ہے۔ جس وقت وہ مکان پر پہنچا، احمد اسمٰعیل ڈاکٹر کو لینے گئے ہوئے تھے، تسنیم بسترِ مرگ پر پڑی تھی اور ایک خادمہ تیمارداری کے لئے موجود تھی۔ تسنیم کی حالت نہایت خستہ و زار تھی اور جیسے ہی جمالی کے چہرے پر اُس کی نظریں

پڑیں وہ بیہوش ہو گئی۔ جمالی اور خادمہ کی کوششوں سے جب اُسے ہوش آیا تو اُس کے کنارِ چشم پر دو ایسے دانۂ شاہوار نظر آئے جن کی قیمت ساری کائنات بھی نہیں ہو سکتی۔ سخت سعی کرنے کے بعد اُسے ضبطِ گریہ میں کامیابی ہو سکی، تھوڑے عرصے کیلئے تمام آلام و مصائب اُس کے دل سے محو ہو گئے اور گلاب کی پنکھڑی سے ہونٹوں پر مسکراہٹ آئی اور قائم ہو گئی اور رنگ دمکنے لگا۔ تسنیم نے نہایت نحیف آواز میں کہا:۔

"جمالی! اگرچہ میرا اندیشہ کہ ہم زندگی میں پھر نہ مل سکیں گے غلط ثابت ہوا، لیکن یہ خوف کہ میں تمہاری خدمات وطن کو کامیاب دیکھنے کے لئے زندہ نہ رہ سکوں؛ تمہاری مساعی میں ہاتھ نہ بٹا سکوں گی اور تمہاری شریکِ حیات نہ بن سکوں گی، صحیح ہو کر رہے گا۔ مگر یقین رکھو کہ میری روح پروانہ وار تمہاری شمعِ ہستی پر ہمیشہ صدقے ہوتی رہے گی؛ یہاں تک کہ ایک روز ہم دونوں کی روحیں باغِ خلد میں ملجائیں گی۔ یاد رکھو کہ وطن کی محبت مذہبی فرض ہے اور مادرِ مہربان ہر فرزند سے اس محبت کا، اس مذہبی فرض کا عملی ثبوت چاہتی ہے۔ میں بسترِ مرگ پر تمہارا یہ عہد سننا چاہتی ہوں کہ تم اپنی زندگی وطن

کے لئے وقف کردو گے اور یا تو وطن محبوب کو آزاد و ذلت دیکھو گے یا عزت آزادی کی سعی حصول میں ہلاک ہو جاؤ گے!"

جمالی کے لئے اب ضبط ناممکن تھا۔ وہ بے قرار ہو گیا، اور تسنیم کے قدموں کا بوسہ لینے لئے جھک گیا، اس حال میں کہ اسکی آنکھوں سے ایک طوفانِ اشک، ایک سیلِ گریہ جاری تھا، اپنے فرضِ مقدس و مفتخر کی بجا آوری کا عہد کیا۔ تسنیم کی آنکھوں سے بھی آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی اور ایک غائبہ کلمہ کہتے ہوئے جمالی کے ہاتھ میں اپنے ہاتھ دے کر غافل ہو گئی۔

احمد اسمٰعیل ڈاکٹر کو لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔ جمالی کو دیکھا۔ اگر سراسیمہ و پریشان نہ ہوتا تو اس کا اظہار غضب رعد و برق کی طرح ہوتا۔ مگر تسنیم کی بیماری نے اُسے بھی بدحال کر رکھا تھا۔ ڈاکٹر نے نبض دیکھی، مگر نبض کا پتہ نہ تھا! دوا دی! اور تھوڑے وقفے کے بعد تسنیم نے آنکھیں کھول دیں آنسو بھر آئے۔ باپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور ڈوبتی ہوئی آواز میں کہنے لگی:-

"ابا جان" دنیا کی دولت خدا کی رحمت کی ضامن نہیں ہو سکتی! .... وطن کے حقوق سب پر افضل ہیں!"

یہ کہہ کر جمالی کا ہاتھ لے کر باپ کے ہاتھ میں دیا اور پھر غافل ہو گئی۔ یہ غفلت آخری غفلت تھی! مگر وہ جو ایک غافل فرزندِ وطن کو ہوشیار کر گئی!

احمد اسمٰعیل اب پکا تارکِ موالات تھا! خان بہادری کا خطاب واپس اور پنشن لینے سے انکار کر دیا۔ جمالی واپس ہوا اور کسی تقریر کی بنا پر علی گڑھ کے اسٹیشن پر گرفتار کر لیا گیا اور پھر اس یقین پر کہ اس کا وطن محبوب و عزیز، عزتِ آزادی کا فخر سربلند حاصل کر کے رہے گا، اس اعتقاد پر کہ باغِ جنت میں تسنیم کی روح، آزادیِ وطن پر مبارک باد دینے کے لئے اسکی منتظر ہے! جیل کی مشقتیں نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتا رہا!

۱۹۲۲ء

عورت کا لمحۂ حیات!

خورشید جی دادا بھائی سے میری دوستی کی ابتدا بجائے خود ایک رومان ہے۔ سب سے پہلے میں نے اُسے چرچ گیٹ اسٹیشن پر دیکھا، اور اُسی وقت سے میں محسوس کرنے لگا کہ میں اُسکی جانب کھچا جا رہا ہوں۔ ہر چند اُس کے چہرے میں کوئی غیر معمولی وجہ جاذبیت نظر نہ آتی تھی، لیکن کم از کم میرے لئے اس کی ذات میں کھربائی کشش ضرور رہتی۔ مجھے اس کی ہستی سرتاپا ماتم معلوم ہوئی اور شاید یہی باعث میرے کھنچ جانے کا تھا۔ اسکی چھوٹی مگر سیاہ آنکھیں یہ معلوم ہوتا تھا کہ دنیا سے رحم کی طلبگار رہیں۔ قریب تھا کہ میں اُس سے گفتگو شروع کر دوں لیکن رسم و عوائد کی پابندی کے خیال سے باز رہا۔

اس کے بعد بھی میں نے اُسے چند مرتبہ "لوکل ٹرین" میں، یا اسٹیشن پر دیکھا؛ کیونکہ میں باہم سے تقریباً روزانہ بمبئی جایا کرتا تھا، اور وہ روزانہ باہم آیا کرتا تھا۔ حسنِ اتفاق تھا کہ مجھے اُس سے شناسائی پیدا کرنے کے لئے زیادہ انتظار

نہ کرنا پڑا۔ ایک روز ہم دونوں ریل کے ایک ہی ڈبے میں داخل ہوئے جس میں میرے اور اس کے سوا کوئی اور نہ تھا۔ اس مرتبہ میں نے عوائد تہذیب کو بالائے طاق رکھ کر اُسے مخاطب کیا:۔

"میں یہ معلوم کرکے کہ آپ میرے اس بیباکانہ مخاطبے کو خلافِ تہذیب سمجھیں گے، ذرا بھی متعجب نہ ہوں گا" اور میں نے اس الزام کا پورا پورا احساس کرنے کے بعد ہی یہ جرأت کی ہے لیکن میں اُس وقت سے جب سے میں نے آپ کو پہلی بار دیکھا، آپ سے گفتگو کرنے کے لئے بیتاب ہوں۔ معاف کیجئے گا، مگر یہ میری روح کا احساس ہے کہ آپ ایک مخلصانہ ہمدردی کے محتاج ہیں، آپ کی غمزدہ روح، یقیناً ہمدردی کی بھوکی ہے" پھر میں نے اُسے بتایا کہ میں کتنے دن سے اس موقعے کا منتظر تھا، اور آخر میں اپنی اس جرأت کی معذرت بھی کر لی۔

"مطلق نہیں، مطلق نہیں"! اُس نے ایک افسردہ تبسم کے ساتھ جواب دیا۔ لیکن میں نے دیکھا کہ اُس کی آنکھوں میں چمک سی پیدا ہو گئی اور وہ کچھ بےچین سا ہو گیا! گویا وہ کسی بات کے کہنے کے لئے آمادہ ہو ہو کر ڈر رہا تھا۔ مگر اُس کی آنکھیں وہ سب کچھ کہے دے رہی تھیں جس کے کہنے کے لئے اُسکی زبان

رُک رہی تھی۔ "ہاں، میں بھی اکثر آپ کو دیکھتا تھا۔" "لیکن اُس کا قطع کلام کرکے میں نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔ "ہمارا تعارف بالکل رومانی ہے، اس لئے ہمیں رسمیات پر اعتنا نہ کرنا چاہیئے؛ اور جب ہم ایک دوسرے کو بہتر طور پر جان جائیں گے تو یقیناً اس تعارف کی یاد اور عوائد کا نظر انداز کر دیا جانا ہی پُرلطف معلوم ہوگا۔"

"بے شک، اب ہمیں بالکل بے تکلف ہو کر ملنا چاہیئے۔"

وہ کچھ خاموش ہوا اور پھر کہنے لگا۔ "مجھے یقین ہے کہ ہم دونوں کے تعلقات نہایت مخلصانہ ہوں گے، کیونکہ ہمارا تعارف بھی تصنّع سے خالی تھا۔"

خورشید کی شادی ہو چکی تھی اور فرینی، اسکی بیوی حسین ہونے کے ساتھ حد درجہ شائستہ و مہذب لڑکی تھی۔ وہ خود بھی اپنی بیوی کی موجودگی میں بہترین شوہر ہونے کا ثبوت دیا کرتا تھا۔ لیکن نہایت بارد دل کے ساتھ۔ جب وہ اپنی بیوی سے علیحدہ ہوتا تو کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ ایک بہترین شوہر یا کاروباری آدمی ہے؛ بلکہ ایک خود فراموش فلسفی شاعر معلوم ہوتا تھا، جسے دنیا کی ہر شے سے نفرت ہو!

ایک شام کو جب ہم دونوں "الکیشر کے سینگنگ گارڈن"

کی ایک بنچ پہ بیٹھے تھے اور چوپاٹی اور ساری بمبئی کا منظر ہمارے سامنے تھا۔ وہ غیر معمولی طور پر متاثر نظر آ رہا تھا۔

"خورشید" میں نے اسے مخاطب کیا "کیا مجھ پہ اعتماد کرکے تم مجھے راز دار بنا سکتے ہو؟" وہ خاموش رہا اور پھر کچھ کہنا چاہتا تھا کہ میں نے کہا۔ "اس سے قبل کہ تم کچھ جواب دو میں تمہیں یقین دلانا چاہتا ہوں کہ مجھے تمہارا راز معلوم کرنے کی جو جستجو ملاقات سے قبل تھی وہ اب نہیں ہے، شاید اس وجہ سے کہ جب تم میرے نہ تھے، اور اب میں، تمہیں، تمہاری ہر شئے کو اپنا سمجھتا ہوں؛ اور شاید اسی وجہ سے اب اس راز میں میرے لئے کوئی ندرت نہیں رہ گئی ہے۔ میں اب تمہاری اس حالت کو دوسرے نقطۂ نظر سے دیکھتا ہوں؛ اور اب میرا اصرار صرف اس لئے ہے کہ اگر تم مجھے راز دار بنا لوگے تو یقیناً تمھاری روح ایک بارِ عظیم سے سبکدوش ہو جائے گی، یا کم از کم اس کا وزن نصف رہ جائے گا۔"

"تم اگر یقین کے ساتھ کہتے ہو" اس نے ایک طویل آہ کے ساتھ کہا۔ "کہ مجھے تم پر مزید اعتماد کرنا چاہئے، تو تمھاری سخت غلطی ہے، اور ایسی غلطی کا ارتکاب میری ان توقعات کو

جو تمہارے ساتھ وابستہ ہو گئی ہیں سخت صدمہ پہنچاتا ہے۔ تم یہ جو اعتماد مجھے پہلی ملاقات میں قائم ہو چکا ہے، اس میں ذرّہ بھر بھی زیادتی نہیں ہوئی ہے، اس لئے کہ اس میں زیادتی کی گنجائش ہی نہ رہ گئی تھی۔ اب رہا یہ سوال کہ پھر میں نے تمہیں اپنا شریک راز کیوں نہ بنایا، اس کا سارا الزام میرے اُس خوف پر مبنی ہے کہ مبادا تم میرے ہم خیال ہو جاؤ، مجھ سے واقعی ہمدردی کرنے لگو؛ ایسی صورت میں میرے اُس خیال کی دلکشی، جسے تم راز کہتے ہو میرے لئے کم ہو جائے گی۔"

یہ کہتے ہوئے اُس نے کوٹ کی اندرونی جیب سے شربتی رنگ کے مخملی چمڑے کا بٹوا نکالا، جس کے ایک کونے پر سونے کا پتّر چڑھا ہوا تھا، اور اُس میں سے ایک کارڈ سائز کی تصویر نکالکر میرے ہاتھ میں دیدی۔

میں نے اُس تصویر کا مومی کاغذ ہٹا کر دیکھا، وہ ایک پارسی خاتون کی تصویر تھی، جو سیاہ ساری پہنے ہوئے کھڑی تھی۔ مجھے یقین نہ آتا تھا کہ وہ ایک پارسی لڑکی کا عکس تھا، بلکہ میں سمجھتا تھا کہ فلورا (ملکۂ بہار) کی تصویر کو پارسی لباس پہنا دیا ہے اور اُس دوشیزۂ بہار کی تمام گلشن آرائیوں کو، تمام کثرتِ رنگ و بو

سوگ میں ملفوف کر دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ اس لڑکی کے خد وخال بالکل یونانی تھے۔ لیکن میری حیرت اپنے انتہائی نقطے پر اسوقت پہنچی جب مجھے اس کی حالت الم زدگی اور خورشید کی کیفیت غمگینی بالکل ایک نظر آئی۔ چنانچہ اب مجھے یہ سمجھنے میں کوئی دقت ہی نہ تھی کہ خورشید پہ اس لڑکی کی روح مستولی ہے لیکن ابھی اس رومان متالم کے سننے کے لئے میں بیتاب تھا۔ میری مستفسر نگاہیں، تصویر سے خورشید کے چہرے پر پڑیں "تمہیں اس سے زیادہ کی ضرورت ہے؟ اس کے آگے سمجھ بھی نہیں ہے" اس نے اس طرح جواب دیا گویا وہ میرے خیالات کو پڑھ رہا تھا۔

یہ جملے اس نے نہایت ناشکیبایانہ حالت میں ادا کئے اور کانپتے ہوئے ہاتھ سے وہ بٹوا میرے ہاتھ میں دے کر کہا "باقی فسانہ اسمیں ہے"

بٹوے کے کونے پر "خ۔ و" کا طغرا بنا ہوا تھا اور طغرے کے اندر نہایت باریک خط میں "ہدیہ از ف۔ ن" لکھا ہوا تھا۔ اس کا مطلب "فیروزہ نوروزجی" تھا۔ بٹوے کے اندر چند خطوط تھے جن کا ملخص یہ ہے:۔

(۱)

میں تمہیں یہ خط اس لئے لکھ رہی ہوں —— میں نہیں جانتی

کہ کیوں لکھ رہی ہوں؛ البتہ میں سمجھتی ہوں کہ مجھے ایسا کرنا چاہئے، حالانکہ میں ایسا کر رہی ہوں!

میرے والد کی ناگہانی موت نے میرا بار تمہارے شانوں پر ڈال دیا، اور تم نے میرے پیچیدہ معاملات کو روبراہ کر دیا، اگرچہ میں کسی قانون سے اسکی مستحق نہ تھی؛ یا دوسرے لفظوں میں اگر تم اس ذمہ داری کو نہ اٹھا لیتے تو کسی طرح قابلِ الزام نہ تھے اس کیلئے اظہارِ تشکر مجھ پہ فرض ہے۔ لیکن اس تحریر کی وجہ تحریک اُس فرض کی ادائی کا خیال نہیں ہے! اس حادثے کے بعد جب میرے لئے دنیا کی ہر شے معطل ہو چکی تھی، تم نے میرے دل کو زیست کا شیدا بنا دیا، اور صرف تم نے مجھے جری اور دلیر کر دیا۔

کل رات، جس وقت تم نے میرے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے اُس وقت مجھے علم ہوا کہ تم نے اُس کیفیت کا احساس کر لیا ہے، جسے میں عرصے سے محسوس کر رہی تھی، اور دعا کرتی رہتی تھی کہ وہ تمہارے علم میں نہ آئے۔ اُسی لمحے میں مجھے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تمہارے دل کے اندر میرے لئے کونسی جگہ ہے! اور اُس علم نے مجھے حد درجہ مسرور اور نہایت مغموم بنا دیا۔

تاہم اس حالت کو اب اسی نقطے پر ختم ہو جانا چاہئے۔ مگر آہ! کتنا حسرت خیز واقعہ ہے کہ ایک خوابِ خوش شروع ہونے سے قبل ختم ہو جائے! میں تمام رات اس "تلاش وجستجو کی سعی میں نہ سو سکی کہ ان بھول بھلیوں سے نکلنے کے لئے کوئی روشنی میسر آجائے! مگر ناکام رہی۔

ہم دونوں کو اب ایک دوسرے سے نہ ملنا چاہئے، ایسا کرنا ناگزیر سا ہے۔ میں اس تحریر کے ذریعے سے خدا حافظ کہہ رہی ہوں، کیونکہ میں اپنی کمزوری سے واقف ہوں۔ مجھے اپنے اوپر اعتماد نہیں ہے، اور جانتی ہوں کہ مجھ میں تمہارے سامنے آنے کی بھی تاب نہیں۔

لیکن اس لئے کہ یہ قطعی ہے، اس لئے کہ تم بھی اب لاعلم نہیں ہو، اور اس لئے کہ انشراحِ غم و المِ مفارقت کی جراحت کو قابلِ برداشت بنا دے گا، میں تم سے کہنا چاہتی ہوں کہ مجھے تم سے محبت ہے! میں نہیں چاہتی ہوں ——— خدا حافظ!

(۳)

ہماری گزشتہ شب کی ملاقات، جس سے تم نے

"الہامی اتفاق" سے تعبیر کیا تھا، میرے خیال میں قسمت کا وہ نفوشتہ تھا جس کا انجام حرمان و الم ہے۔ تم نے مجھ سے بہت سی باتیں کیں، لیکن بہت سی باتیں نہیں بھی کیں، یا نہ کر سکے۔ اُن باتوں کو جو جامۂ الفاظ نہ پہن سکیں، جو لباسِ صدا حاصل نہ کر سکیں میں نے اپنے خیال میں تمہاری زبانِ حال سے سُنا۔ اور اس نتیجۂ مبرم کو باطل نہ کر سکی کہ تم بہر حال اپنی بیوی کی ملکیت ہو، گو تمھیں اس کا احساس نہ ہو، لیکن فریبی کا یہ ادعا اور یقین ہے؛ اور ایک حقیقت ہے۔

اس کے علاوہ، میرے پیارے، اگرچہ تم پر انکشافِ الفت اچانک ہوا، لیکن میں بہت عرصے سے جانتی ہوں کہ تم سے محبت کرنے کے کیا معنی ہیں! میں اس خیال سے بھی قاصر ہوں کہ ایک عورت تمہاری محبت سے آشنا ہو کر کبھی تمہارا افتراق برداشت کرنے کے قابل ہو بھی سکتی ہے؟

اس وجہ سے نہیں کہ رات جو بوسہ میں نے کیوپڈ کے مندر پر چڑھایا، میرے انتہائی، شوق کا حامل

نہ تھا، میرے جذبات کا عطر نہ تھا، یا اس وجہ سے نہیں کہ میری محبت دنیا کی ردی اشیاء میں سے ایک انگشتری کی، تمہارے نام کی، طالب ہے (کیونکہ انگشتری اور نام عطا کرنے کا تمہیں اب حق حاصل بھی نہیں)، بلکہ میرا یہ احساس نسوانی احساس ہے، اپنے دل کا علم ہے، جو مجھے مجبور کر رہا ہے کہ اُس سے، جس کے لئے میرا دل بیتاب ومضطر ہے روگردانی اختیار کروں۔ میں کیونکر ایک چیز کو منظور کر سکتی ہوں جو تمہاری نہیں ہو سکتی، جو تمہاری نہیں کہ تم کسی کو دے سکو!

آہ! کاش تم جانتے، کہ تمہاری محبت نے میرے جسم کے ریشے ریشے کو کیونکر مرتعش کر دیا ہے؛ اور اب اُس کا خیال مجھے کس طرح غرقِ انفعال کر رہا ہے!

(۳)

پیارے!

میں کیا لکھوں؟ میری کمزوری ہی میری ذلت ہے: باوجود اس قدر حزم واحتیاط اور ہوشمندی کے، میں خود ہی کل اُس ہجوم خطرات میں کود پڑی!

میں نے کہا تھا کہ اب ہمیں ایک دوسرے کو دیکھنا بھی نہ چاہیئے۔ میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ اب کبھی تم سے تنہا نہ ملوں گی! لیکن کل جب تم وہ منحوس کاغذ میرے دستخطوں کے لئے لائے، میں نہ سمجھی کہ میں کیا کر رہی تھی، اور بالکل اس طرح جیسے ایک پھول اپنی پنکھڑیوں کو سورج کے بوسوں کے لئے پیش کر دیتا ہے، میں نے بھی اپنی ساری ہستی تمہارے سامنے پیش کر دی۔ میں ناقابلِ اعتماد ثابت ہوئی! میں، جسے اپنی اور تمہاری محبت کی حفاظت کرنا چاہیئے تھی! اچھا خیر، اب وعدہ کرو کہ تم مجھے اپنے قرب سے دور رکھو گے، کیونکہ مجھے اپنے عزم اور ارادوں پر خود اعتبار نہیں رہ گیا ہے۔

میرے محبوب! ہاں مگر، تم بھی سچ کہتے ہو! پھر جب یہ تقدیر کا فیصلہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کیلئے وضع کئے گئے ہیں، تو میری یہ کمزور کوششیں، یہ نامقبول دعائیں، بے معنی ہیں۔ تاہم میں سعی کئے جاؤں گی، یہاں تک کہ میری طاقتیں جواب دیدیں!

(۴)

تمہارے خط کا مضمون بالکل غیر متوقع تھا، لیکن میں تعمیل میں ماکقیرآن پہنچ گئی اور مفصّل تحریر کی منتظر ہوں۔ میں حیران ہوں کہ تم نے مجھے اپنے پاس سے جدا کرنے میں کیا مصلحت سوچی؟ بہرحال مجھے یقین ہے کہ اس کی کوئی اہم وجہ ضرور ہے؛ اور یہ محبت کی فطرت ہے کہ میں آنکھیں بند کرکے تعمیل کر رہی ہوں۔ ایسا موقع ہی کہاں آتا ہے کہ تم کوئی حکم کرو اور میں اسکی بجا آوری کا فخر حاصل کرسکوں۔ آہ، اگر تم ایک عورت ہوتے تو سمجھتے کہ میں اپنے آقا کا حکم ماننے پر کس قدر مسرور ہو سکتی ہوں؛ خواہ وہ کیسا ہی دل شکن کیوں نہ ہو! عورت کی محبت کی یہ خصوصیت ہے کہ اگر اس پر ستم بھی توڑے جائیں تو وہ خوشی سے برداشت کرتی ہے؛ وہ جسمانی عذاب میں بھی لذت پاتی ہے!

یہاں کے مناظر دلکش ہیں، لیکن ہر وہ چیز جو میری نظر یا خیال میں بھلی معلوم ہوتی ہے، تمہاری ہستی کا ایک جزو بن کر رہ جاتی ہے؛ اور یہی باعث ہے

کہ میں ایک گونہ تنہائی کا احساس کر رہی ہوں۔ خدا حافظ!

(۵)

میرے پیارے،

تمہاری تحریر ابھی ملی۔ اُف تیسرے دن تم مجھ سے آملوگے! بہجت و مسرت کا طوفان میرے قلم کو، میری انگلیوں کو مفلوج کئے دے رہا ہے۔ میں صرف خواب دیکھتے رہنا چاہتی ہوں۔ عالم رویا میں رہنا، امیدوں سے معمور رہنا، اور خوف میں مبتلا رہنا! مجھے یقین ہے کہ تم یہاں آکر کچھ دن قیام کروگے، تاکہ کچھ سکون پا سکو۔ مناظر کی لطافت تمہارے خیر مقدم کے لئے بے چین ہے: ہوا شراب بنی ہوئی ہے! اس کا ساز تمہارے نام کی تکرار سے لبریز ہے، یہی اُس کا نغمہ ہے! میں اس قدر خوش ہوں کہ بقول تمہارے "برداشت سے باہر ہے" تابہ ملاقات، خدا حافظ!

(۶)

فطرت کا ہر ذرہ ایک ساز ہے، اور صرف میرے لئے نواپرداز!

اُف میں تمھاری محبت میں سرشار ہوں، اور تم میرے لئے بیچین! پہاڑ کی چوٹیاں ایک نئی روشنی کا ملجا بنی ہوئی ہیں۔ وہ حسنِ لذات جس کا میں صرف خواب ہی دیکھ سکی تھی اس کیفیت مسرت کے سامنے بے حقیقت ہے، جو میرے پیشِ نظر ہے۔ اگرچہ تم چلے گئے ہو، لیکن میں تنہائی محسوس نہیں کرتی۔ اب میری مسرت کو دنیا کی طاقتیں مجھ سے نہیں چھین سکتی ہیں۔ اُف، دنیا کس قدر لطف سے معمور ہے۔ تمہاری اور میری دنیا!

(۷)

بہت دن نہیں گزرے کہ ہم دونوں نے اپنی حالتوں کو ایک دوسرے سے بدل لیا ہے: پہلے میں شک اور تذبذب میں تھی۔ اب تم خوف اور پس و پیش میں مبتلا ہو! میں اب سمجھی کہ مجھے اپنے قریب سے جدا کر دینا، اُس احساسِ قرب سے علیحدہ کر دینا جو دیوانگی سے لبریز تھا، یہ معنی رکھتا تھا کہ تم بے خلل غور و تامل کرکے صحیح نتیجے پر پہونچ سکو۔ میں تمہارے جذبات کا احساس کر رہی ہوں اور معلوم کر رہی ہوں کہ اس

شے نے جو مجھ سے اور تم سے قوی ہے، تمہیں آسنے پر مجبور کر دیا تھا۔ میں تمھارے اندر اُس جد و جہد کو بھی دیکھ رہی ہوں، جو اس وقت جاری ہے، جو محض میری وجہ سے ہے۔

تم نے یہاں، اپنی گفتگو میں اس طرف اشارہ کیا تھا کہ ہماری محبت میرے لئے باعثِ خرابی ورسوائی ہے۔ میں اس اشارے کو اب سمجھی، اور بہ منت التجا کرتی ہوں کہ اس فاسد خیال کو اپنے دماغ میں جگہ نہ دو۔ اس کیفیت کو جو کچھ نہیں مگر ایک نشاطِ حیات، حزینہ نہ بناؤ۔ اس محبت سے مجھے وہ مسرت حاصل ہے جو الفاظ کی گرفت سے باہر ہے۔ مجھے تمہاری محبت نے اس درجہ ممنونِ لطف بنا دیا ہے جو شرمندۂ اظہار نہیں ہونا چاہتا۔ اس حالت میں جو چیز حزینہ کا باعث ہو سکتی ہے، میری ذات ہے؛ اور میں اپنی ذات کو محو کر چکی ہوں۔ میری بہترین اور محبوب ترین تمنا، تمھاری مسرت ہے اور میری یہ تمنا ہی میری خود غرضی ہے! کیونکہ میں جانتی ہوں میری مسرت اسی طرح قائم رہ سکتی ہے!

اس لئے میں اپنی ذات کو بھی محو نہیں کر رہی ہوں ۔
چنانچہ تم ان بیکار و لغو باتوں سے اپنے تئیں پریشان نہ کرو ۔
میں کسی سے نہیں ڈرتی ہوں ۔ تم نے تو میرے اندر جو
بہترین شے ہو سکتی تھی اُسے نمایاں کر دیا ہے! تم تصویر
کے دوسرے رُخ پر بھی تو نظر ڈالو اور سوچو کہ تمہارے
بغیر میری زندگی کس قدر تاریک ہوتی !

(۸)

مرد، عورتوں کے محسوسات سمجھنے میں کس قدر
مجہول واقع ہوا ہے ؟ اس وجہ سے کہ حیات و محبت
کی مستور طاقتیں مجھ سے اور تم سے زیادہ قوی ہیں، اپنے
اوپر نفرین نہ کرو ۔ کیا صرف اس لئے کہ ایک عورت کی
روح اپنے موضوعِ محبت کے معانقے سے مسرت اندوز ہو،
تمام دنیا غلط ٹھیرائی جا سکتی ہے ؟ اُف میں دنیا میں کسی
ہستی سے اپنی حالت بدل لینے پر آمادہ نہیں ! میں کائنات
کی بہترین نعمتوں سے بھی اس خیال کو بدل لینا منظور
نہیں کر سکتی ! ہم اگر اب ایک دوسرے کو دیکھ بھی نہ
سکیں تب بھی ہیں کسی نعمت سے جو ہنوز ختم نہ ہوئی ہے

اور بنہایت دلفریب و دلکش ہے، اس وقت کی یاد، اس عہدِ لذت کا علم، بدل لینا گوارا نہ کروں گی!

تم اس کو نہیں سمجھتے اور اس وقت تک کے تم خود بھی عورت نہ ہو، نہیں جان سکتے کہ تم نے اپنے تئیں مجھے دیکر، خود میری نگاہوں میں میری کتنی قدر بڑھادی ہے! تم میری دنیا ہو اور میرا سب کچھ! اس کے معنی وہی عورت سمجھ سکتی ہے جو محبت کر سکتی ہے! میں تو یقین رکھتی ہوں کہ عورت جب مبتلائے محبت ہوتی ہے تو اس کے احساس میں خود روح فطرت کارساز ہوتی ہے!

آہ! ایک عورت ہونا، نہایت خطرناک شے ہے: ایک ایسی ذمہ داری ہے، جس کی شرح نہیں کی جاسکتی! لیکن جب عورت اپنی فطرت کی بلندیاں پالیتی ہے تو محض اس امتیاز کا احساس کہ وہ عورت بنائی گئی ہے زندگی گزار دینے کے لئے کافی ہوتا ہے!

(۹)

میں واپس ہو رہی ہوں۔

میں تمہارے قریب رہ کر زندہ رہ سکتی ہوں۔ مجھے تمہارے

پاس ہونا چاہیئے کہ تم اپنی پریشانیاں مجھ سے کہہ کر اُنھیں فراموش کر سکو۔ میری زندگی تمہاری ملکیت ہے، اور اُس کے استعمال کے تمام حقوق تمہارے ہیں۔ مجھے تمہارے یہ الفاظ کہ "میں صرف تمہارا روحانی شوہر ہوں" کبھی فراموش نہیں ہوتے۔ وہ بیویاں جو روح کی بیویاں نہیں قابلِ رحم ہیں!

(۱۰)

میں آج کی رات ہوا میں حزینہ کا احساس باقی ہوں۔ میں سمجھتی ہوں کہ سخت ضرورت نے تمہیں میرے پاس آنے سے باز رکھا۔ بہرحال میں تمہیں پھر ایک بار دیکھنا چاہتی ہوں۔

دنیا میں میرے لئے، صرف ایک نام و لقب ہے۔ لیکن لوگ نہیں جانتے کہ جس بلندی تک میں پہنچی ہوں وہاں تک پہنچنے کے لئے دوسری عورتیں کس قدر عظیم قربانیاں کرنے پر تیار نہ ہو جائیں گی! ان بادلوں میں پہنچ جانے کے لئے اور وہاں سے اُس رویائے لذیذ کو توڑ لانے کے لئے، جو اس وقت میرے دل میں زندہ ہے، وہ تنہا چیز جو دنیا میں کبھی پژمردہ نہیں ہو سکتی، کیا کچھ نہ دیدیں گی؟

میں کچھ دیر اپنی نہ دیکھتی ہوئی آنکھوں سے اُس خط کو دیکھتا رہا۔ پھر خورشید کی طرف دیکھا۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اُس نے کہا :-

"میں اُس خط کے دوسرے روز بھی نہ گیا۔ میں جانا نہ چاہتا تھا، میں اُس حالت سے بخیر و خوبی نکل آنا چاہتا تھا اور غور کرنا چاہتا تھا۔ اس کے پاس جانے کے بعد میں غور نہ کرسکتا تھا، سب کچھ بھول جاتا تھا۔"

جب ہم واپس ہو رہے تھے تو میں نے خیال کیا کہ خورشید کی وہ حالت، وہ پُراسرار کیفیت اب باقی نہ تھی۔ اُس کا چہرہ سخت افسردگی کا منظر تھا اور بس! ایک گہری خاموشی کے ساتھ میں نے اُسے گھر پہنچا دیا۔

مکان پر پہنچ کر میں ابھی پوری طرح کپڑے نہ اتارنے پایا تھا کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی : یہ فریبنی تھی اور مجھے فوراً بلا رہی تھی۔ اس کی آواز بھرّائی ہوئی تھی۔ میں نے سبب دریافت کرنا چاہا؛ مگر وہ ٹیلیفون پر سے جا چکی تھی۔

جب میں اُس کے مکان پر پہنچا اور خورشید کی خوابگاہ میں داخل ہوا، تو دیکھا کہ وہ اپنے بستر پر بے روح پڑا ہوا ہے اور اُس کی کنپٹی سے خون جاری ہے۔ اُس نے خودکشی کر لی تھی! ۱۹۲۳ء

نکوہشِ محبّت

ایک گھنٹہ کامل آوارہ گرد رہنے کے بعد اُس نے شوفر سے موٹر روک لینے کو کہا۔

" میرے لئے موٹر کی سواری ذرا بھی تفریح کا باعث نہیں" کہتے ہوئے میرے اترنے کا منتظر رہا، اور پھر میرے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر ساحل کی طرف لے چلا۔ "معلوم نہیں لوگ موٹر کی کس ادا کو پسند کرتے ہیں؟ میرا تو رہا سہا سکون بھی رخصت ہو جاتا ہے؛ خاک کے علاوہ ہوا کی انتشار آفرینیاں، سوہانِ روح بن جاتی ہیں، تیز چلو تو کسی کو دیکھنا تو درکنار، پہچان بھی نہیں سکتے! آہستہ چلو تو دوسروں کی اُڑائی ہوئی خاک سمیٹو! میرے خیال میں موٹر کو معاشرت میں داخل کرنے کے یہ معنی ہوں گے کہ انسان کو بھی مشین کا پرزہ بنا دیا جائے۔ افسوس، عصری تمدن حقیقی صناعتہ سے کس قدر معرا ہے!"

میں جمال کی فطرت سے غیر آگاہ نہ تھا: وہ کسی چیز کو، کسی فعل کو، اختیار نہ کرتا جس سے وہ آخر میں تھک نہ جاتا ہو؛ لیکن

کسی بات کو اُدھورا چھوڑنا بھی اس کی طبعیت سے اتنا ہی بعید تھا
اُس کا ہر شوق خوب سے خوب تر کی تلاش و حصول میں گم ہو جاتا
تھا۔ چنانچہ اب جب کہ وہ فورڈ سے لے کر رولس رائز تک اور
ان کا ہر ہر موڈل استعمال کر چکا تو حسب معمول موٹر سے بیزار
نظر آتا تھا۔ اگر اُسے تلون کہا جا سکتا ہے تو یہ تلون ہی اس کی
طبعیت کا پردا ز تھا۔ میں اُس کے ان اشاروں پہ خاموش رہا،
ورنہ اپنی منطق و دلائل سے وہ صرف مجھسے موٹر کی برائیاں ہی
تسلیم نہ کراتا، بلکہ اس میں تمدن، معاشرت اور صناعت کی
بحثیں بھی مخفی تھیں، اور پھر نہ معلوم اور کتنے مباحث پیدا ہو جاتی۔
یہ بھی اس کی فطرت کے تلون کا نتیجہ تھا، کہ اس کی تفرج
گاہ مقرر نہ تھی۔ غالباً اسے شناساؤں سے ملنے جلنے میں اُلجھن
ہوتی تھی، اور اسی وجہ سے وہ تقریباً ہر روز اپنی سیر گاہ بدل دیا
کرتا تھا۔ ساحل پہ پہونچ کر وہاں کے ہجوم سے اس کی طبیعت اور
گھبرائی اور وہ مجھے میرین لائنس اسٹیشن کی طرف لے چلا یہاں
ہجوم نسبتاً کم تھا۔ ہم دونوں ایک بنچ پر بیٹھ گئے۔
نئے چاند کی ملگجی روشنی سمندر کی خاموش سطح پر اس طرح
نازل ہو رہی تھی جیسے حواس پر بے خودی طاری ہوتی ہے۔

روشنیوں کے انعکاس نے ساحل کو سونے کی کان اور سمندر کی آئینہ طرازی نے سطح کو نیلمی سنگ ستارہ بنا رکھا تھا۔ نہایت ہلکی لیکن برف کی طرح سفید موجوں کا بلوریں تنفس ہر طرف نظر آ رہا تھا۔ میں اور جمالی، وہاں لا کے کش لے رہے تھے۔ منظر کی سکون کوشی نے ہم دونوں کو کچھ ایسا مسحور کر دیا تھا، گویا ہم سکوتِ خواب میں ڈوب گئے تھے۔ فضا اور سمندر کی یہ ہم آہنگی اس درجہ نازک اور حسین تھی کہ بات کرنا اور کسی خوبصورت و رنگین آبگینے کو پتھر مار کر چور چور کر دینا ایک ہی فعل محسوس ہوتا تھا۔

جب کچھ دیر اسی حالت میں گزر گئی تو اس خیال سے کہ وہ تو کبھی بھی نہ چونکے گا میں نے جمالی کا شانہ ہلایا اور کہا کہ "چلو اب دیر ہو گئی ہے"۔

وہ اُٹھ بیٹھا اور اسی طرح خاموش موٹر تک پہونچ کر میری جانب مڑا۔"

"تمہیں کہیں جانا تو نہیں ہے؟ میرے ساتھ چلو۔" کہہ کر پھر چپ ہو گیا۔

آج کل وہ کمبالا ہل پر ایک خوبصورت مکان میں رہتا تھا۔ "آج کل" کا لفظ میں نے اس لئے استعمال کیا کہ مکانوں کے متعلق

بھی اس کا نظریہ ویسا ہی غیر مستقل تھا۔ وہ ایک مکان میں اسی وقت تک رہنا پسند کرتا تھا، جب تک کہ مکان کی آرائش موسم کا ساتھ دے اور جب تغیرِ موسم کے ساتھ آرائش بھی بدل جانا چاہئے تو وہ دوسرے مکان میں منتقل ہو جاتا تھا۔ ہم بنگلے پر پہنچے تو وہ دیوان خانے (ڈرائنگ روم) کے عوض مجھے اپنے ساتھ کتب خانے میں لے گیا۔ اور خدمت گار سے جام و سبو لانے کو کہا، جو فوراً ہی لا کر ہمارے سامنے تپائی پر رکھ گیا۔

جما کی ایک نہایت قبول شخصیت کا مالک اور سوسائٹی کے اعلیٰ طبقے میں نہایت ہر دلعزیز جوان تھا۔ اس کا اصل وطن تو دہلی تھا مگر بمبئی بھی وطنِ ثانی کا درجہ رکھتی تھی، جہاں وہ ایک کامیاب تجارت کا مالک تھا۔ اپنے رجحانِ طبعی کے لحاظ سے وہ بلاشبہ ایک "انشائی" تھا۔ اور شاید یہی ایک شوق تھا جو اُس کے تلون سے کامیاب جنگ کر سکا تھا، گو اس معرکہ آرائی میں اُس کے اس شوق کو پیچھے ہٹ ہٹ کر مقابلہ کرنا پڑا تھا، کیونکہ یہ شوق اُسے بار بار ہوا۔ اس کے دلچسپ فسانے اور دلنشین نظمیں بہت مقبول ہو چکی تھیں۔ اس کی ہر تحریر نہایت دلکش ہوتی تھی، جس میں حیاتِ عالم پر استہزا کا ایک لطیف پہلو ہمیشہ نمایاں رہتا تھا، تاہم اس میں حزن و ملال

کا ایک مخفی رنگ ہمیشہ پایا جاتا تھا۔ اور یہی اس کا اصلی رنگِ انشا تھا۔ ہر چند وہ تجرد کی زندگی گزار رہا تھا لیکن اسکی ذات سے بہت سے رومان منسوب کئے جا چکے تھے؛ اور یہ مقتضا تھا اس کی ہمدردانہ فطرت کا! اس کی خوش باشی سے لوگ واقف تھے، مگر ایسے دو ایک ہی تھے جو اُس کی سادہ مگر غم پسند فطرت سے آشنا ہوں! اس تجربے کے بعد کہ زمانے پر فتح پا لینا کس قدر آسان ہے، جمالی کچھ دنوں سے، روز بروز تنہائی و عزلت کی طرف مائل تھا اور کتب خانہ اُس کی جائے پناہ تھی۔

"جمالی اب تو بہت کافی سوچ چکے!" میں نے کہا۔

مگر وہ اس پر بھی کچھ دیر تک خاموش رہا؟

"کبھی تم کسی عورت کی دل شکستگی کا باعث بھی ہوئے؟" ایک غیر معمولی سنجیدگی کے ساتھ مجھ سے مخاطب ہوا۔

"غالباً نہیں!" میں نے جواب دیا۔

"ہوں! شاید تم نے ارادہ ہی نہ کیا ہوگا۔ یہ تو بہت آسان بات ہے۔ بلا ارادہ بھی ہو سکتا ہے۔" یہ کہکر وہ پھر کھو سا گیا۔

"شاید ایسی حالت کو ہمراز بنانا کہا جاتا ہے۔" وہ پھر اچانک متوجہ ہوا۔ "میں نہیں سمجھ سکتا کہ وجہِ تحریک کیا ہے؟ غالباً

تاثیرِ منظر کا نتیجہ ہو، شاید اس وجہ سے ہو کہ تم بہت اچھے سننے والے ہو، بہرحال میں تم سے کہنا چاہتا ہوں؛ لیکن کیا تم ایسی بات سننے کی ذمہ داری لینے پر طیار ہو جسے میں نے آج تک کسی سے نہیں کہا؟"

میں نے اُسے اپنی آمادگی اور دلچسپی کا یقین دلایا۔

"ایک عرصہ ہوگیا؛ زمانہ گزر گیا؛ میں تمہیں ایک اُجڑے ہوئے چمن کی سیر کراتا ہوں، وہ پُر اسرار طلسم زار جسے شباب کہا جاتا ہے! کیونکر ممکن ہے کہ تم اب پھر اپنے تئیں اُسی لالہ زارِ التہاب میں یقین کرسکو، اُسی شادابی شعلہ کو دیکھ سکو! زندگی میں وہی ایک ایسا دور ہے، جب ہر شئے میں عجب وندرت ہوتی ہے؛ لیکن اگر کہیں اس دور سے محبت بھی ہمنوا ہو جائے تو پھر کائنات میں کچھ باقی نہیں رہ جاتا! آجکل ہم جس سرزمین سے گزر رہے ہیں اس میں نہ تو سبزہ ہے نہ جوبار، نہ پھول ہیں نہ نغمۂ طیور! کوشش کرو اور اپنے تئیں اُسی ماحول میں لے جاؤ تو میں تمہیں ایک رومان سناؤں، ایک ایسا سادہ فسانہ جو اکثر و بیشتر دلوں پہ گزر جاتا ہے، مگر اخلاقی بزدلی لوگوں کو اس کا اظہار نہیں کرنے دیتی: وہی پُرانا قصہ، تقریباً ابتدا سے آفرنیش کے برابر پُرانا: ایک مرد اور دو عورتیں!"

" میں اُسی ماحول میں پہونچنے کی سعی کر رہا ہوں لیکن تم اپنا افسانہ شروع کرو، کیونکہ اس طرح تم مجھے وہاں پہنچنے میں مدد دو گے" میں نے اُس سے کہا۔

" اچھا تو سنو: وقت، آج سے پندرہ سال قبل! مقام ـــــــ بمبئی! زمانہ شباب کا! مخصوص اشخاص ڈراما، خود اسی کے انداز میں، ایک پچیس سال کا نوجوان، اپنے گھونگر والے بالوں پر مفتخر، چھریرا جسم، ناقابلِ انکار طریقے پر خوبصورت اور بہ ہیئتِ مجموعی ایک وارفتہ طبیعت اور والہانہ انداز کا جوان! ہر چند اس بیان سے گو نہ تبختر، پندار نمایاں ہے، لیکن یہ واقعہ ہے کہ صفحۂ دنیا سے کوئی نقش اس تکمیل کے ساتھ محو نہیں ہوا جس طرح یہ ہستی شباب! خیر، وہ معناً شاعر تھا ـــــــ اسکی شادی دہلی میں ہو چکی تھی جسے چند ہی مہینے گزرے تھے! اور وہ اپنی بیوی سے محبت کرتا تھا۔ خیال رہے کہ یہ محبت شادی کے بعد کی نہ تھی! اس کی بیوی کو اُس کے ساتھ پرستارانہ عشق تھا اس طرح کہ گویا وہ کوئی حسین دیوتا تھا۔ اگرچہ نہیں یہ قصہ پریوں کی کہانی معلوم ہوگا مگر یہ قصہ نہیں حقیقت ہے۔ یہ جذبات نور س بجائے خود کہانیوں والی مخلوق معلوم

ہوتے تھے۔ ان کے عقائد میں پریوں کی سی رومانیت تھی۔ وہ شباب ومحبت کی بے پایاں برکات پر اعتقاد رکھتے تھے! ہاں، اُن کے یہ سب خواب مجسم، یہ سب خیال متشکل ہو جاتے، لیکن صرف ایک رومانِ رومان فگن نے جسے اُس کی معصوم فطرت نہ دیکھ سکتی تھی، اُس حسین تعمیر رویا کو مسمار کر کے رکھ دیا! اگر یہ شاعر پیش بیں ہوتا، تو اپنے مستقبل سے آگاہ ہو جانے کے بعد بھی میں کبھی نہ دیکھا گیا ہوتا!"

جمالی خاموش ہو گیا۔ مونگیا اور طلائی رنگ کتب خانے میں اُسی رنگ کے پردوں پہ دبیز ہی فانوس کے اندر سے برقی شمع، سکونِ تبسم کا سحر پھیلا رہی تھی۔ ایک عجیب دلگداز لہجے میں اُس نے یہ شعر پڑھا:۔

"جب نام ترا لیجئے تب چشم بھر آوے
اس زندگی کرنے کو کہاں سے جگر آوے"

کون باور کرے گا کہ پانی کی موج عورت ہی کی ایک تبدیل شدہ ہیئت ہے! عورت کے قلب کا تلون، اُس کے گیسوؤں کا میل، اس کی آنکھوں کا نشہ، اُس کے جسم و روح کی نازک وخفیف تلویح و تلوین ——— کائنات کی روح

نسائیت، پانی کی موجوں کی صورت میں متموج ہے، جو اپنے بازو کشادہ کر دیتی اور ہمیں دعوتِ ہلاکت دیتی ہے!"

وہ پھر دم لینے کے لئے ٹھہر گیا۔ ایک تازہ وہ آلا سلگایا کہ خیالات کا انتشار پھر مرکز پہ آجائے اور کہنے لگا:-

"جانتے ہو، وہ نوجوان شاعر میرے سوا کوئی اور نہ تھا؟ ایک مشہور دستند صناع، مجھے ایک دن تصاویر کی نمائش میں لے گیا۔ ہجوم بہت تھا مگر میرے دوست کی شخصیت وہاں نمایاں اور حاکمانہ تھی۔ اس نے مجھے لوگوں سے نہایت عمدہ الفاظ میں متعارف کرایا۔ نمائش کے ہنگامۂ تمول و محشرِ تنعم کے اندر اوّل اوّل میں کچھ متوحش سا رہا اور گونہ تنہائی محسوس کرنے لگا۔

اس نمائش میں جہاں بہت سے آدمی تھے، میں اگر کوئی دلکشی دیکھ بھی سکتا تھا تو یہ یوں ناممکن ہو گیا کہ ٹھیک اسی وقت میری نگاہیں ایک برقِ مجسم میں جا کر جذب ہو گئیں۔ کسی شخص کا اُسے نہ دیکھنا محال تھا۔ میں آج بھی یقین نہیں کر سکتا کہ ایک عورت اس درجہ برق آسا ہو سکتی ہے۔ نہ معلوم مجھے اس کے طورِ حسن و رنگِ ادا میں ایسی کیا بات نظر آئی، جو کہیں اور محسوس بھی نہ ہوئی تھی؟ میں نے اپنے دوست کو اشارے سے اسطرف

متوجہ کیا۔ وہ مسکرا کر کہنے لگا :-

"یہ کہئے! آپ کی حسن کی جویا نظروں سے صبر نہ ہو سکا ؟ لیکن نہیں، میں تمہیں اُس سے نہیں ملاؤں گا میں مناسب نہیں سمجھتا۔"

میں نے اُسے دھمکی دی کہ اگر اُس نے میرا تعارف نہ کرایا تو میں خود متعارف ہو جاؤں گا۔ اُس نے ہنس کر کہا۔

"بڑے ہو ناشائستہ ہو! میں تمہارا محافظ فرشتہ ہوں اس لئے نہیں چاہتا کہ تم اُسے جا لو۔ اور جس سے چاہو ملا دوں۔ اگر مقصود حسن کی ہم نشینی ہے تو یہاں کیا کمی ہے؟ دوسروں سے ملنے میں تمہیں اندیشۂ ضرر بہت کم ہے!"

لیکن ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ میں نے دیکھا، ایک آتشکدہ حسن جنبش میں آگیا ہے اور اُس کے شعلے میرے خرمن ہوش کی طرف لپک رہے ہیں؛ ایک خمکدۂ شباب میں لغزش آگئی اور اُس کا نشہ میرے حواس پر چھلک رہا ہے؛ گویا اُسے علم ہو گیا تھا کہ ہماری گفتگو کا موضوع وہی تھی! وہ میرے دوست کی طرف دیکھکر مسکرائی اور میں اُس کے نشوۂ تبسم سے مترا لور ہو گیا —— ایک ایسا نشہ جس سے میری ہستی کا ریشہ ریشہ سرشارِ ارتعاش ہو گیا تھا! اب میرے دوست کے لئے میرا تعارف کرانے میں پس و پیش

کی گنجائش نہ تھی۔ اس نے مجھے ملایا مگر یہ کہہ کر کہ :-

"میں جمالی کو تمہارے سامنے اس حال میں پیش کرتا ہوں کہ وہ وجدانِ فنکارانہ کی کے پھولوں سے مزین ہے ؛ اور اس وجہ سے میں اُس کے لئے تم سے طلبِ رحم پر مجبور رہوں"

وہ پھر دوسری جانب متوجہ ہو گیا اور میں ——— ایک خواب کی سی کیفیت میں مبتلا تھا، اور غیر محسوس طور پر اسکی فضائے طلسمیت میں جذب ہوتا جا رہا تھا۔ اُس کے پیکر سے ایک سحر نیخ دی اس طرح جاری تھا جیسے نسترن زار سے تعطر!

عورت کے سامری فن ہونے کا ایسا مکمل مرکز اس سے قبل یا بعد میری نظر سے کبھی نہیں گزرا۔ اس کا جلوۂ جمال مہلک تھا؛ اس کے اندر ایک ایسا عنصر تھا جو دیکھنے والے کو لرزہ براندام کر دیتا تھا۔ وہ اس زمانے کی "کلیو پیٹرا" تھی۔ اُس کا لباس گہرا سرخ تھا، اس کی گوکناری ساری گویا خون میں رنگی ہوئی تھی! اُس کا چہرہ چمپا کی ایک کلی تھا، اور برگِ لب کی تازگی گلبرگِ شبنم آلودہ : گلاب اور گوکنار اُس کے مرغوب پھول تھے! اُس کی تشکیل نازک خطوط امواج سے ہوئی تھی، وہ ان موجوں ہی کی طرح ناقابلِ مزاحمت تموج کا نشان تھی :

ایک سینہ جو پھولوں کی طرح نرم اور جو موجوں کی طرح پُر جوش تھا! اس قلو بطرائیت کے ساتھ صنعتِ لباس آرائی میں جو انیاں عریاں تھیں! سویدائے مقناطیسی کے نشف نے مجھے کھینچ لیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ آپ ابھی کہکشاں سے لوٹ کر گر پڑے ہیں!" اس نے مجھے مخاطب کیا۔

اس وقت، جب ایسا برق پاش منظر سامنے نہیں، عورت کی ایسی فطرت، پر سخت سے سخت فیصلہ صادر کر دینا ہر شخص کے لئے آسان ہوگا، لیکن دنیا کا کوئی فیصلہ اس جادو طرازی کی مدافعت نہیں کر سکتا تھا! بہرکیف اس وقت میرے تمام احساسات صرف آنکھوں سے کام لے رہے تھے۔ میں اس کی باتوں کا جواب اپنی نگاہوں سے دے رہا تھا، کیونکہ مجھ میں تابِ گفتگو نہ تھی! میرا دوست کبھی کبھی مجھے، شاید بہ نظر احتیاط، دیکھ لیتا تھا۔ جاتے وقت وہ مجھے اپنا کارڈ دے گئی، اور یہ کہتے ہوئے کہ:-

"کیا کل چائے پر آپ کی معیت کا فخر حاصل ہو سکتا ہے؟"

میرا جواب صرف اثبات میں ہو سکتا تھا۔ مجھے مطلق احساس نہ تھا کہ لوگ مجھے اس کی آنکھوں میں اس طرح ڈوب جاتے دیکھکر

کیا کہیں گے۔ میرے دوست نے میرا بازو ہمدردانہ ادا کیساتھ پکڑ کر کہا:-

"بلاشبہ وہ غیر معمولی حسین ہے، لیکن مجھے یقین ہے کہ تم بھی اپنی قوت کا ثبوت دو گے۔ ایسی عورتیں محبت کے لئے نہیں بلکہ تحریص و امتحان کے لئے ہمارے سامنے لائی جاتی ہیں!"

میں اس سے رخصت ہو کر گھر آ رہا تھا تو اس وقت میرے ذہن و خیال پر میری بیوی کا تصرف تھا۔ اس وقت تو میں محسوس نہ کر سکا، مگر آج سمجھ رہا ہوں کہ وہ میرے ذہن و خیال پر کیوں اس صورت سے قائم ہو گئی تھی کہ ایک انداز مسترحم کے ساتھ بازو کشادہ ہیں اور سراپا رنگِ بیکسی میں ملفوف ہے! اس سحر کیفیات سے میں اس وقت سخت متاثر ہوا تھا۔

جب میں مکان پہونچا تو ایک خط میرا منتظر تھا۔ اسی صبح میں اس کے انتظار میں بے چین رہ چکا تھا لیکن اس وقت میں نے اسے بغیر کھولے اور پڑھے پڑا رہنے دیا۔ اس میں کسی نوع کی کشش معلوم نہ ہوئی، بلکہ وہ میرے اور کوکنار ہی لباس والی "کلیوپیٹرا" کے درمیان ایک حجاب سا معلوم ہوا!

وہ ایک ایکٹرلیس تھی، نہایت باکمال اور ذی وقعت!

اپنی صناعتہ کے لحاظ سے ایک حیرتناک اور جدید شخصیت! اور اُن مخصوص ہستیوں میں سے ایک جن کو ذہانت بھی خصوصیت کے ساتھ عطا ہوتی ہے۔ پھر، اگر اس کی ہستی، شعر وخود کشی، عطر و زہر، نغمہ و ہلاکت سے استعارہ تھی تو کیا تعجب تھا؟ وہ "کلیوپیٹرا" کا ایکٹ انتہائی تکمیل کے ساتھ ادا کرتی تھی، "خود کلیوپیٹرا" بن جاتی تھی۔ وہ یہی کر بھی سکتی تھی۔ میں نے اُسے ہمیشہ "کلیوپیٹرا" ہی کہا۔ دوسرے روز جب میں نے اُس کے عالیشان دروازے کا برقی بٹن دبایا تو مجھے اپنے دوست کے الفاظ یاد آگئے: "ایسی عورتیں محبت کے لئے نہیں بلکہ تخریب و امتحان کے لئے ہمارے سامنے لائی جاتی ہیں!" کیونکہ میں نے اُس کو دیکھنے کے بعد جو ایک رات گزاری تھی، وہ "کلیوپیٹرا" کے التہاب کی سوزش اور اپنی بیوی کے "ستارۂ سفید" کی سکون پاشی کی کشاکش میں بسر کی تھی!

"کلیوپیٹرا" کا اخگرِ جمال، شعلۂ شباب، ایک ایسا آتش زار تعطر تھا جس کے لئے میں ہر خطرے کے مقابلے کے لئے آمادہ ہوگیا۔ میں اُس تک پہونچایا گیا۔ وہ ایک سادہ مگر پُر صناعتہ کمرے میں کچھ تصویریں دیکھنے میں مشغول تھی۔ بیٹھے ہی بیٹھے ہاتھ بڑھا دیا!

اور کہنے لگی :-

"مجھے مسرت ہے کہ آپ تشریف لا سکے"۔

اور پھر مجھے بھی تصویریں دیکھنے میں لگا لیا۔ وہ ابھی تک میرا ہاتھ پکڑے ہوئے تھی اور میں اُس کے برابر کھڑا تصویریں دیکھ رہا تھا۔ میری نگاہیں اُس کے شانوں کی بلوریں لوحوں پہ پھسل رہی تھیں، میرا شامہ اس کے گیسوؤں کی مشک سائی سے مست و بیخود ہوا جا رہا تھا۔ اُس کا لباس بالکل سادہ تھا جس میں اُس کی سفید اور گلابی گردن چمک رہی تھی ! گردن میں نازک سا ہار تھا۔ جس کا ننھا دانہ فیروزہ، شباب کے نشیب و فراز کے ساتھ تہ و بالا ہو کر اپنے اندر تموّجی کیفیت پیدا کر رہا تھا !

ایک برقی بٹن دبانے کے چند منٹ بعد خادمہ نے چائے کی میز سجا دی۔

"آپ کے دوست نے آج مجھ سے آپ کے ذوقِ شعری کی بڑی ہی تعریف کی ہے۔ کیا آپ اپنے کچھ اشعار نہ سنائیے گا ؟"

اس نے کہا۔

"اُن کی یہ تعریف میری رسوائی ہے۔ میں ضرور سناتا، مگر یقین کیجیے کہ اس وقت مجھے کچھ یاد نہیں آتا" میں نے جواب دیا۔

"آنکھوں نے مجھے کچھ اور بھی بتایا ہے!" اپنی آنکھوں کے سیاہ تبسم کے ساتھ کہنے لگی۔ "اور کیا کہا؟" میں نے متعجب ہو کر دریافت کیا۔

"تمہاری عجیب و غریب محبت کا قصّہ!" اس نے کہا۔ میں ذرا خجل سا ہو گیا۔

"کیا واقعی تمہیں اپنی بیوی سے محبت ہے؟" اسنے سوال کیا۔

"جی ہاں!" میں اسے کچھ اور جواب دے ہی نہ سکا۔

"کیا وہ بہت زیادہ حسین ہے؟ میں بھی کیسے کیسے سوال کر رہی ہوں۔" اس نے کہا۔

"جی ہاں" میں نے کہا مگر ایسے لہجے میں جو ایک مرد کا ہونا چاہیئے۔

"ہاں تو مجھے تمام حکایت سناؤ، نہایت دلچسپی سے سنونگی۔ محبت کی استوار دنیا میں حیرت انگیز شئے ہے!" یہ کہکر اس نے ایک طویل سانس لی اور نگاہیں جھکا لیں۔

"آؤ میری کتابوں کی سیر کرو ...."

ہم چائے سے فارغ ہو چکے تھے۔ وہ اٹھ کر کھڑی ہوئی اور میرا ہاتھ پکڑ کر الماریوں کی طرف لے چلی: ایک الماری

سے ایک کتاب نکالی اور اسکی بہت تعریف کی۔ ایک مقام نکال کر مجھ سے پڑھنے کو کہا۔ میں کرسی پر بیٹھ گیا اور وہ میرے شانے کا سہارا لے کر جھک گئی۔ تصور و قیاس صرف تصویر پیش کر سکتا ہے، وہ کیفیت نہیں دکھا سکتا، جو اس وقت میری حالت میں تھی! اس کا تنفس میری کنپٹی کے راستے بجلی کی رو دوڑا رہا تھا۔

ایک اعجازِ حسن اور اس درجہ ذہین! دنیا کی ہر دولت کی ملکہ: دولتِ جمال، دولتِ شباب، دولتِ علم، اور پھر فراوانی تنعم! یعنی عیشِ ذہنی اور عشرتِ جسمانی کی تکمیل، اور اس صورت میں! میں اس سحر کیفیات و مسحور ی حسیات میں غرق تھا کہ میرے دماغ میں ایک برقِ خیال چمک گئی اور میری بیوی کی تصویر میرے سامنے آگئی! وہ جو ان تمام باتوں سے آگاہ نہ تھی اور جس کی ہر آگاہی کا ذریعہ تنہا میں تنہا! اس طرح کہ گویا وہ میرے مخفی حسیات کو پڑھ رہی تھی، کلیوپیٹرا نے کہا:۔ "تمہاری وفاشعاری بہت دلکش ہے، تمہیں زیادہ دلکش بنائے دے رہی ہے! آؤ، وہاں بیٹھ کر مجھے اپنے شعر سناؤ۔" اور ایک صوفے پر بیٹھ کر مجھے بھی اپنے برابر بٹھا لیا۔

"لیکن مجھے کچھ یاد نہیں آتا۔ میں نے کہا۔
"جانے دو ...... شعر سننے کے عوض میں تمھیں دیکھوں گی۔ یاد ہے میں نے نمائش میں کیا کہا تھا؟" اس نے کہا۔ اور جو کچھ میں نے کہا تھا آج اور زیادہ سچ ہے! تم کبھی اتنی حسین نظم نہیں لکھ سکتے جتنے تم خود حسین ہو" تھوڑی دیر چپ رہنے کے بعد پھر بولی اور یہ کہہ کر اس نے مجھے اپنی طرف کھینچ لیا، باہیں گلے میں ڈال دیں اور اپنی آنکھوں کے حیرتکدہ کو میری نگاہوں سے قریب تر کر دیا اور جھکتے ہوئے کہا:۔
"مجھے تم سے محبت ہے!" اور قبل اسی لمحے میں اس کا دہن غنچہ ساں میرے ہونٹوں سے متصل ہو گیا، اور پھر کائنات کا وجود (تصویر خیالی) ہو کر محو ہونے لگا! آہ مگر اسی حالت میں میں نے ایک لڑکی کے بازوؤں کو اپنی طرف کشادہ ہوتے بھی دیکھا! میں نے "کلیوپیٹرا" کی خوفناک نرمی اور مہلک انگبینی سے اپنے ہونٹوں کو ہٹا لیا؛ اور بہ آہستگی اس سے جدا ہو گیا۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ نہ صرف میری محبت بلکہ میری روح کا ابدی مستقبل بھی میرے اس لمحے کی مزاحمت پر منحصر ہے۔ میرے جدا ہوتے ہی ایک دبی چیخ اس کے موہنہ سے نکلی، اور وہ تکیوں میں موہنہ چھپا کر

رونے لگی۔

"ہاں میں خراب ہوں! اسے بھول جاؤ! مجھے معاف کردو! تم جاؤ اور پھر مجھ سے کبھی نہ ملنا"، اسکے مرغولہ ہائے مشکیں آشفتہ ہو گئے تھے، جوڑا کھل گیا تھا، اور کلیوپیٹرا کی سیاہ زلفیں ناگنوں کی طرح لہرا رہی تھیں۔ میں نے بھی اپنا موہنہ اس کے موہنہ کے برابر رکھ دیا۔

"آہ"، میں نے اس سے کہا "مغموم نہ ہو، غیر آسودہ نہو!"

اور میری نگاہیں غیر شعوری طور پر وہاں پڑیں جہاں فیروزی کا دانہ اس کے سینے کے سر جُڑا دینے والے نشیب پہ پڑا ہوا تھرتھرا رہا تھا۔

"اُف میں خراب ہوں!" اس نے مکرر کہا۔

"نہیں نہیں، یہ غلط ہے۔" میں نے یقین آفریں لہجے میں کہا۔

"ہاں اب میں ایسی نہ رہوں گی۔ میں تمہاری دوست بن کر رہوں گی، تم سے دوستی کروں گی۔ مجھے اپنا دوست بننے دو، میں تمہیں وفادار بننے دوں گی۔" وہ ملتجیانہ کہنے لگی۔

میں جب اس کاشانۂ عشرت سے باہر نکلا تو میں نے خیال کیا: کتنی نیک ہے، اور کتنی حسین! میں خود بھی اپنے تئیں قوی

اور فتحمند خیال کرنے لگا؛ کیونکہ میں اپنے ستارۂ ابیض کے امتحان میں پورا اترا تھا۔ لیکن پھر تمام رات، اور تمام دن، تاوقتیکہ میں نے دوبارہ اس کے دروازے کی گھنٹی نہ بجائی، اس فیروزی کا سینہ کے بلورستان کو اپنا معدن بنا لینا میرے اندر رشک آمیز خیالات پیدا کرتا رہا۔

گھنٹی بجانے کے ساتھ ہی میں نے پھر اپنے ستارے کی ضیاپاشی دیکھی، گویا وہ مجھے تنبیہ کر رہا تھا۔ مگر کل کی مدافعت وظفرمندی کے بعد آج کیا خطرہ تھا؟ آج میں اپنے بعض نظموں کے مسودے ساتھ لایا تھا۔ میرے خیال میں یہ مبحث ہمیں منہمک رکھنے کو کافی تھا۔ میرے مجموعۂ نظم میں ایک اضافہ گزشتہ شب ہوا تھا اور میں نے عہد کیا تھا کہ یہ نظم اُسے نہ سناؤں گا؛ لیکن سب سے پہلے جو کام میں نے کیا وہ یہ تھا کہ میں اُس کے برابر بیٹھا ہوا وہی نظم اُسے سنا رہا تھا!

آج اُس کا لباس وہی تھا جو پرسوں نمائش میں تھا۔ اُسے تیسری بار دیکھنا یہ معنی رکھتا تھا کہ وہ تین حصّے زیادہ حسین ہو گئی تھی!

"یہ عجیب و غریب نظم تم نے میرے لئے لکھی ہے؟

آہ، تم مجھے ایک ملکہ کی طرح تاجپوش کر رہے ہو! یہ نظم مجھے غیر فانی بنا دے گی! .... سچ بتاؤ رات تم نے اپنی بیوی کو خط لکھا؟"

"یقیناً، میں نے خط لکھا!" میں نے اُس سے کہا۔ حقیقتاً اُس ظفر مندی کے بعد میں نے اپنی بیوی کو طویل ترین اور شیریں ترین خط لکھا تھا۔

"تم نہایت اچھے لڑکے ہو! رات کا عہد فراموش نہ ہو جانا چاہیئے۔ اپنی بیوی کو اپنے پاس کیوں نہیں بلاتے؟"

"عنقریب آنے والی ہیں۔" میں نے کہا۔

اس دفعہ اس نے اپنی باہیں میری گردن میں حمائل نہیں کیں، اور مجھے اپنی سیاہ آنکھوں کی تحریصِ ہلاکت سے محفوظ رکھا۔ لیکن اُس کے ایسا نہ کرنے سے میں نے ایک گونہ مایوسی کا احساس کیا؛ گویا میں غیر شعوری طور پر اس کا متوقع تھا۔ میرے اندر ایک گرسنگی پیدا ہوئی، شاید اس وجہ سے کہ میں نے مزاحمت کا تہیہ کر لیا تھا۔

کچھ دیر ہم دونوں برابر بیٹھے رہے اور بالکل خاموش۔ لیکن دونوں کے دل و دماغ، جذبات، محسوسات، خیال کی

برق صفت تغیر کی آماجگاہ بنے ہوئے تھے۔ ایک شدید جد وجہد سے مضمحل ہو کر اُس کا ہاتھ آہستہ آہستہ بڑھ کر میرے ہاتھ میں آگیا۔

"آؤ، کوئی کتاب لے کر پڑھیں۔ میں تمھاری معیت میں پڑھنا زیادہ پسند کرتی ہوں۔"

وہ صوفے پر سے کھڑی ہو گئی اور مجھے بھی الماری تک لے گئی۔ یہ الماری ایک دروازے کے برابر تھی جو شیشے کا بنا ہوا تھا اور دوسرے کمرے کا سامان نظر آرہا تھا۔ اُس نے دروازہ بند کرتے ہوئے "یہ میرا حجلۂ خاص ہے" ایک تبسم کیا تھا کہا؛ اور پھر فوراً ہی دروازہ کھول دیا۔

"میں دیکھتی ہوں کہ تم اُسے اندر سے دیکھنا چاہتے ہو! آؤ اور جی بھر کر سیر کر دو۔" ہم اندر داخل ہو گئے۔ تمام آرائش دولت و صناعت کی عشرت نوازیوں کی زبان گویا بنی ہوئی تھی۔

ذرا ہٹ کر میں نے ایک گہری سانس لی اور وہ میرے سہارے سے لگ گئی۔ اُس کی کاکلیں میرے مونہہ پہ منتشر ہو گئیں۔

"یہ سب بے فائدہ ہے!" اُس نے کہا۔

اور جب میں نے اپنی آغوش کو اُس کے قلو بطرائیت سے بھر لیا تو میرے بازوؤں کو محسوس ہوا کہ وہ ایک مرمرین

تشکل کا احاطہ کئے ہوئے ہیں، کیونکہ وہ سرد تھی۔ مگر دوسرے ہی لمحے میں اُس رخام کی برودت احتراق سے بدل گئی۔ "کلیوپیٹرا" اب وہ یونانی معبودہ معلوم ہوتی تھی جو سامنے ہی ایک گوشے میں کھڑی تھی۔ میری روح نے ایک کرب ناک چیخ کے ساتھ اس کی دعوتِ ہلاکت کو لبیک کہہ دیا: افقِ خیال پر کشادہ بازو میری جانب ملتجیانہ دراز تھے! اور پھر؟ پھر میں اُس فیرونٹے کے نقطۂ گرداب میں پھنس چکا تھا!

چند ہی دن کے بعد یاسمینی میری بیوی، بمبئی آگئی۔ اس کا معصوم حسن ہمیشہ سے زیادہ دلکش نظر آیا۔ وہ ویسی ہی شاد و خرم تھی، اور اُس کی پاکیزہ فطرتی اُسی طرح پرستش طلب! اسکی سادہ لباس آرائی میں غیر معمولی رعنائیاں تھیں۔ اس کے آجانے سے مجھے کچھ ایسا اطمینان ہوا جس میں کسی قدر اذیت بھی ملی ہوئی تھی، تاہم میں اپنے آپ کو محسوس کر رہا تھا۔ مجھے خوف تھا کہ "کلیوپیٹرا" سے ملنے کے بعد جب میں یاسمینی سے ملوں گا تو میری حالت کسی منجمد شے سے بہتر نہ ہوگی۔ لیکن صورتِ حال اس کے برعکس نکلی۔ میں اُسے اپنے پہلو میں دیکھ کر یکسر شوق دلدادگی ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ جس وقت اپنے دل کی داستان

خرمی کے منتشر ٹکڑے سنا رہی تھی، معلوم ہوتا تھا کہ ایک قمری بول رہی ہے اور میں سمجھ رہا تھا کہ میرا دل پارہ پارہ ہو جائے گا۔ اور بالآخر مجھ سے ضبط نہ ہو سکا۔ میں نے اپنا سر اس کی گود میں ڈال دیا، اور میرے آنسو بہنے لگے۔ اس نے سمجھا کہ احساس تنہائی کی شدت اور وفور مسرت کے جذبات آنسوؤں کی شکل اختیار کر رہی ہیں۔ یہ خیال کر کے اس نے میری دلداری کی، اور محبتِ باہمی کی لازوال برکتوں سے خوش کرنا چاہا۔ میں نے بھی اپنے گریۂ بے اختیار کی حقیقی تحریک کو چھپایا اور اُسے اسی خیال میں مبتلا رکھا کہ واقعی میرے آنسوؤں کی حقیقت وہی تھی جو وہ سمجھی۔"

یہاں پہونچ کر جمالی خاموش ہو گیا، اور بڑی دیر تک خاموش رہا۔ اس نے ایک سگریٹ اور سلگایا، اور روشنی جب اس کی آنکھوں پر پڑی تو میں نے دیکھا کہ ان میں آنسو ٹپک رہے تھے۔ وہ بہت دیر تک سگریٹ کے دھوئیں کو اس طرح دیکھتا رہا جیسے کوئی کسی دلچسپ تصویر کے معائنے میں محو ہو۔ ایک رقیق آہ کے ساتھ اس نے پھر کہنا شروع کیا:—

میں اُسے مکان اور مکان کی ہر چیز دکھاتا پھرا، اشیاء کی فراہمی اور حکایات خریداری سناتا رہا۔ وہ میری ان واہی

تباہی باتوں کو سُن کر ہنستی اور خوش ہوتی رہی۔ آہ، کیسی حیرتناک مسرت تھی! وہ میری طرف مڑی اور مجھے دیکھ کر اپنے اشکِ مسرت سے لبریز آنکھوں کو میرے سینے سے لگا دیا۔ میں باوجود اپنی ملوث ہستی کے جو انگبیں سم آلود کی طرح تھی، یقین کر رہا تھا کہ حقیقی مسرت ہمارا حصّہ ہے۔ اس رات میں برابر اسی تعجب میں رہا کہ چند دن کے لئے میرے اوپر کیسا جادو چل گیا تھا! حالانکہ میں اسی شام کو "کلیو پیٹرا" کے گیسوئے پُرخم کی تاریکیوں میں تحلیل ہو رہا تھا اور جب یاسمین کے لینے کو اسٹیشن گیا تھا تو "کلیو پیٹرا" کے پہلو ہی سے اُٹھ کر گیا تھا۔

دوسرے دن آپ ہی آپ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اُس سے آخری بار مل تو آنا چاہئے! اس وقت تک ہم نے ایک دوسرے کو خدا حافظ بھی تو نہیں کہا ہے۔ اس طرح بیٹھ رہنا بڑی بد اخلاقی ہوگی۔ مجھے اب کچھ حرج بھی معلوم نہ ہوتا تھا: یقیناً میں نے اپنی اس خواہش کی اس طرح تاویل کی۔ سہ پہر کے وقت میں نے اپنی غیر حاضری کے لئے حیلہ تراشا اور کہا کہ اگر مجھے دیر ہو تو یاسمین متفکر نہ ہو، کیونکہ ایک دوست کے یہاں دعوت ہے۔ میں نے اُسے یقین

دلایا کہ اُس دن کے بعد میرے تمام اوقات صرف یاسمینی ہی کے لئے ہوں گے، اور دنیا کی کسی شئے کو اختیار نہ ہوگا۔ مگر حیف! اس کی، آخری نگاہ بھی جو تمام راستے میرے ساتھ گئی، مجھے اُس غرقابی سے نہ بچا سکی، "جہاں فیروزے کا دانہ اُس وقت بھی متحرک تھا۔ جب نصف رات گزر گئی، اُس وقت میں نے "کلیوپیٹرا" کے گیسوئے عنبر فروش اپنے گردن اور بازوؤں سے جدا کئے اور ایک مدید اور نامقدس بوسے کے بعد میں وہاں سے رخصت ہو آیا۔

ساری فضا خاموش تھی، میں نہایت آہستگی کے ساتھ مکان میں داخل ہوا۔ کوٹ اُتار کر اپنے لہجے میں شوق کی تمام ترنرمیاں پیدا کرکے یاسمینی کو آواز دی مگر کوئی جواب نہ ملا۔ میں نے سمجھا کہ وہ انتظار کرکے سو گئی، اور دبے پاؤں کمرے میں داخل ہوا۔ آہ! وہاں پہونچ کر میں نے دیکھا کہ یاسمینی میز کے سامنے فرش پر پڑی ہے۔ میں بیتاب ہوگیا۔ اُٹھایا تو فرش رنگین نظر آیا اس کی گردن کے قریب ایک بوتل ٹوٹی ہوئی پڑی تھی۔ ایک خط اُس کے ہاتھ میں تھا اور چند خط بکھرے پڑے تھے: یہ خط "کلیوپیٹرا" کے تھے

جو میرے نام آئے تھے اور میز کی ایک دراز میں پڑے تھے۔ میں نے اُسے اٹھایا۔ میں فیصلہ نہیں کر سکتا تھا کہ وہ زندہ تھی یا مردہ۔ اُس کا بدن ہنوز گرم تھا۔ میں کچھ نہ کر سکتا تھا، بدحواس تھا، نوکروں کو آواز دی کوئی نہ آیا؛ پھر چیخا، چلایا، مگر کوئی نہ بولا۔ البتہ یاسمینیؔ نے آنکھ کھولی اور بند کر لی اور پھر کبھی نہ کھلی۔ اُف! یاسمینیؔ میری کسی الحاح و التجا کو سننے کے لیے زندہ نہ تھی! ہاں، اُس نے وہ خط پڑھے اور اُس کا دل ٹوٹ گیا۔ وہ یقیناً وہاں سے ہٹ بھی نہ سکی، بے ہوش ہوئی، کسی طرح بوتل پر گری، جسکی نوک اس کی شہ رگ کو قطع کر گئی۔ میں اُس وقت خوف و رنج کا مجسمہ تھا اور لب میری آواز اُسے پکارتی تھی، مگر اُس کا نام میرے موہنہ سے نہ نکلتا تھا؛ حالانکہ میں بار بار دیوانہ وار پکار رہا تھا۔ میں اُس کی شکستہ دلی کا، اس کی موت کا، باعث ہوا! فطرت کو اس سے محبت تھی، اس کا حزن و ملال گوارا نہ ہوا۔ میرا ننھا سا ستارہ مجھ سے ہمیشہ کیلئے جدا ہو گیا۔ لیکن اُس ثانئے میں جس وقت میرے ادراک نے اُس کی موت کا احساس کیا تو معلوم ہوا کہ مجھے اُس کے ساتھ محبت تو اُس وقت سے شروع ہوئی ہے۔ اُس سے، قبل کی

محبت کا سایہ تھا ! ہاں میں اُس کا پرستار ہوں، میری ثنائیں اور صبحیں اُسی کی پرستش میں صرف ہوتی ہیں۔"

جب اُس نے یہ داستانِ حزیں ختم کی تو ہم دونوں بڑی دیر ایک سناٹے کے عالم میں رہے۔ اُس کی آنکھوں سے خموش آنسوؤں کی بارش ہو رہی تھی۔ میں نے اُس سے پوچھا:۔

"کلیوپیٹرا اسے تم پھر بھی ملے ؟"

اُس نے کچھ جواب نہ دیا۔ پھر اُس کے سارے جسم میں تھرتھری سی پیدا ہوئی اور کہنے لگا۔

"ہاں، میں پھر بھی اُس کے پاس گیا..... مگر اُسکے لئے میرے اندر کوئی دلکشی نہ رہ گئی تھی۔ چونکہ اب میں سہل الحصول تھا، اس لئے اُسے مجھ سے محبت نہ تھی۔ میں اُس کے مکان پر پہونچا۔ وہ کسی کے ساتھ موٹر میں جا رہی تھی۔ ایک ابتسامِ سم آلود کے ساتھ مجھے دیکھا۔ اُس نے پھر مجھے کبھی نہ پہچانا۔ ہاں، یہ اُس کا رحم تھا کہ اُس نے میرے اشکِ ندامت و تاسف یا سمینی کے لئے وقف ہو جانے دئے۔ یہ اس کا رحم تھا !"

اُس دن کے بعد جمالی کی عزلت و تنہائی بڑھتی ہی گئی؛ اُس نے شعر کہنا موقوف کر دیا تھا کیونکہ وہ خود ایک پُرسوز و گداز

شعر بن گیا تھا! اُس نے فسانے لکھنا ترک کر دیا تھا کہ وہ اب خود ایک فسانۂ غم بن گیا تھا!

اب بھی جب میں شام کے وقت "لوکل ٹرین" سے چرچ گیٹ اسٹیشن کو جاتا ہوں تو کبھی کبھی ایک دیوانہ حال شخص کو پھولوں کا گچھا لئے ہوئے قبرستان میں داخل ہوتے یا وہاں سے خالی ہاتھ نکلتے دیکھتا ہوں!

سنہ ۱۹۲۳ء

اخلاقی معمّہ

مدتِ حیات کے وہ لمحات بھی کتنے عجیب لمحات ہیں، جب انسان اپنی گزشتہ زندگی کے اوراق الٹتا اور اُن واقعات اور سانحات پر نظر ڈالتا ہے جن کی یاد اس کی بیدار زندگی کا اصلی پیمانہ ہے۔ یادش بخیر، میں کبھی ایسے ہی عالم میں تھا جہاں مجھے سب سے پہلے یہ معلوم ہوا کہ زندگی قائم رکھنے کے لئے زندگی ہی قیمت میں دے دینا پڑتی ہے۔ یہ ایک ایسا خیال ہے جس کی حقیقت کا قائل صرف وہ ایک گروہ ہو سکتا ہے جس کے لئے کائنات عالم میں صرف تین چیزیں پیدا کی گئی ہیں، یعنی جسم، روح، اور احتیاج! میں نے وہ مناظر بھی دیکھے ہیں جب انسان جسم و روح دونوں سے گلوخلاصی حاصل کر لیتا ہے۔ اور اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ دنیا میں اس سے زیادہ معمولی واقعہ کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہ صورت جاں گسل ہے جب انسان احتیاج سے مجبور ہو کر زندگی سے بے نیاز ہونا چاہتا ہے، مگر اس پر قادر نہیں ہوتا!

احتیاج اپنے مطالبات احتیاج ہی کی صورت میں پیش

کرتی ہے! اور یہ وہ وقت ہے جب ایک انسان بھول جاتا ہے کہ اشتہا کا دفعیہ خورد و نوش سے ہوتا ہے، اور دیکھتا ہے کہ گرسنگی کا علاج صرف گرسنگی ہے! عسرت اور فلاکت کی ستم ظریفیاں بھی عجیب ہیں: تعیش اور تمول میں بھی انسان میں صلاحیتِ فکر موجود ہوتی ہے لیکن افلاس اور ناداری میں یہ قوت بہت زیادہ سریع الحس ہو جاتی ہے اور یہ وازِ فکر بلند تر!

جس زمانے میں میرا سرمایۂ حیات صرف ناداری تھی، میری دنیائے تخیل فراوانیوں سے معمور تھی: ہر وہ عشرت جو میرے تصوّرات کا بار اُٹھا سکتی تھی کثرت سے موجود ہوتی، کیونکہ صرف میں ہی لطف اندوز و سیر کام ہونے والا تھا۔ تصورات کی دنیا میں اگر کوئی چیز نایاب ہے تو وہ سیری ہے۔ عالمِ بیداری کے سب سے زیادہ ہمت شکن وہ لمحات ہیں جب انسان یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ تصوّرات کی دنیا محض خواب و خیال تھی! میں بھی یہی محسوس کرتا اگر جاگی نہ ہوتا!

اُس پُر لطف خواب کی طرح جس پر بیداری کی بہت سی ساعتیں قربان کی جا سکتی ہیں، مجھے فطرت کا وہ نورانی تبسّم جسے

عرفِ عام میں صبح کہتے ہیں نہیں بھولتا جب میرا کلبۂ احزان جمالی کے غیر متوقع ورود سے یک بیک جگمگا اٹھا۔ اس کی آواز "کھڑے ہو جاؤ" اور "کپڑے پہن لو" اس وقت بھی میرے کانوں میں گونج رہی ہے۔ جمالی کشیدہ قامت تھا، وہ حسین بھی تھا اگر بے لوثی اور مردانگی کا شمار حسن میں ہو سکتا ہے۔ وہ ایک مقتدر روزانہ اخبار کا نامہ نگار تھا اور دنیائے صحافت میں اس کی خاص وقعت تھی۔ اگر یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر مقتدر ہستی حاسدوں اور نکتہ چینیوں کو کتمِ عدم سے ساتھ لاتی ہے تو مجھے یہ بتانے میں تامل نہیں کہ بعض ایسی شخصیتیں بھی تھیں جو جمالی کی مخالفت کو اپنا ترکۂ فطری سمجھتی تھیں لیکن میرا دوست شریف النفس اور صاف باطن تھا۔ صاف باطنی کی صفت اس کی ذات میں اتنی ہی نمایاں تھی جتنی مدعیانِ صاف باطنی میں مفقود ہوتی ہے۔

مجھے متامل دیکھ کر اس نے میرے شانوں پر ہاتھ رکھ دئیے اور اس طور پر مسکرایا گویا میری کلفتیں صرف اس لئے تھیں کہ اس کے خفیف سے تبسم میں جذب و فنا ہو جائیں۔ میں اب بھی خاموش رہا اور تھوڑی دیر کے لئے یہ محسوس کرنے لگا کہ جمالی میری اندوہگینیوں کا مضحکہ اڑانا چاہتا ہے؛ لیکن اس کے

چہرے پر نظر کرنے سے معلوم ہوا کہ فضائے تبسّم صرف اس کے لبوں تک محدود تھی اور اُس کی آنکھیں اتنی ہی سنجیدہ تھیں جتنا اُس کا تبسّم بے پروا۔ میری حالت دیکھ کر اس نے اس طور پر گفتگو شروع کی جس سے معلوم ہو کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے اُس نے اس پر بالکل غور نہیں کیا ہے لیکن اس کے نتائج سے پوری طرح آگاہ و آشنا ہے۔ کہنے لگا:۔

"سُنو! میرے ذہن میں ایک بات آئی ہے تم اُسے تجویز کی حیثیت دے سکتے ہو، نہایت عمدہ خیال ہے اور تم سے متعلق ہے۔ غور سے سُنو، لیکن ہاں یہ تو بتاؤ کیا تم ان دنوں پریشان رہے؟ اچھا اب تم اپنی حالت کو بدل ڈالو۔"

اس کے تمام الفاظ تو میرے ذہن میں محفوظ نہیں، لیکن واقعات اب بھی تازہ ہیں۔ معلوم نہیں کیا بات تھی کہ میں نے اپنی حالت کا بے کم و کاست اقرار کر لیا۔ میں نے ذرا بھی دقت محسوس نہیں کی۔ میں نے کہا:۔

"تمہارا خیال بالکل صحیح ہے، میں صرف پریشان ہی نہیں بلکہ مایوس بھی ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرے مضامین جنھیں میں انتہائی جگر کاوی سے لکھتا ہوں شاید اڈیٹروں کی

”نامنظوری“ کے لئے وقف ہو چکے ہیں۔ مسترد کرنے کا حیلۂ عام یہ ہے کہ کسی نئے انشا پرداز کو واقعاتِ حاضرہ سے بحث نہ کرنا چاہئے بلکہ اُسے چاہئے کہ وہ اپنے تئیں حصولِ فن کیلئے وقف کر دے۔ ”فن“ کا مفہوم کیا ہے؟ اس کا پتا نہ تو ضخیم لغات میں ملتا ہے اور نہ کوئی ایڈیٹر ہی بتاتا ہے۔ انجام کار میں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ”فن“ عبارت ہے ان حدود سے جن کے اندر باریاب ہونے کا حق صرف ایک طبقۂ غیر متعین کے لئے مخصوص ہے۔“

”میں یہ نہیں جانتا اور نہ اس پر بحث کرنے کا موقع ہے“ جمالی کسی قدر بے صبر ہو کر کہنے لگا۔ ”میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں! تم جد و جہد کی ان حدود تک پہونچنے والے ہو جہاں سے کامیابی کا میدان شروع ہو جاتا ہے۔ تمہاری مثال اس شخص کی سی ہے جو صرف سفر کی صعوبتوں اور اپنی خستہ حالی سے مجبور ہو کر بے صبر یا کوتاہ ہمت ہو جاتا ہے اور آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھتا کہ منزلِ مقصود بالکل سامنے ہے۔

”میں نے تمہارے لئے تمام انتظام کر لیا ہے۔ تمہیں صرف کچھ کپڑے خرید لینا چاہئے۔ اب پروگرام[1] یہ ہے کہ

---

[1] میں اس لفظ کو خفیف سی ”ترمیم“ کے ساتھ استعمال کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

میں تم کو یہاں سے نکال کر قطعاً نئے حوالی میں پہونچانا چاہتا ہوں۔ اس لئے تم میرے ساتھ بمبئی چلو!"

"کیا؟"

"ابھی، اور اسی طور پر کھڑے ہو جاؤ! آج رات کی اکسپریس سے سفر شروع ہو جائے گا۔"

"لیکن؟"

"کچھ نہیں، یہ لو، دس ہزار کے نوٹ محض اس لئے ہیں کہ تم اس عمق سے ابھر آؤ۔ روپئے میں بڑی قدرت ہے ورنہ دنیا پر میرہ قوفی کا کبھی اطلاق نہ ہو سکتا۔ تم ہمیشہ اسکی مخالفت کرتے آئے ہو لیکن اب تم دیکھوگے کہ انسان کو غلط رائے قائم کرنے پر بھی قدرت حاصل ہے۔"

بازار سے میرے لئے نیا لباس خریدا گیا جسے پہن کر میں سفر کے لئے طیار ہوا۔ جمالی کا ارادہ اور اس کا نفاذ اتنا سریع اور غیر متوقع ہوتا تھا کہ میں اس پر بھی غور نہ کرسکا کہ میں مصیبت اور فلاکت کو خیرباد کہہ کر بمبئی کا سفر کر رہا ہوں۔ تاہم مجھے یہ محسوس ہوتا تھا کہ جمالی مجھے ایک تاریک غار سے باہر نکال رہا ہے اور کائنات حیات کا روشن

پہلو مجھ پر رفتہ رفتہ ظاہر ہو رہا ہے۔ جب ہم اسٹیشن جا رہے تھے بازاروں کا ہنگامہ میرے کانوں میں ایک حرف بشارت ہو کر پہنچ رہا تھا۔ میں لکھنؤ کو سب سے اچھی جگہ سمجھتا تھا کہ میرا بہت سا وقت وہیں گزرا تھا، اور میری ذہنی نشوونما وہیں ہوئی تھی۔ زندگی کے بعض حیرت ناک راز مجھ پر وہیں ظاہر ہوئے تھے۔

راستہ دلکش تھا، ستارے جھلملا رہے تھے، چاندنی نازک اور ڈھلی ہوئی تھی، اور یہ ساری چیزیں ہم آہنگ ہو کر بیحد حسین اور دلکش معلوم ہو رہی تھیں۔ صبح ہوئی۔ دشت و صحرا کی فراخی سکون بخش تھی اور طمانیت افزا۔ میں غرق تفکر ہو گیا اور دوسرے مسافروں کے ساتھ جمالی کا وجود بھی میرے ذہن سے محو! لیکن میں اس غور و تفکر سے جلد باہر نکل آیا اور جمالی کے ساتھ اکثر مباحث پر گفتگو ہوتی رہی۔ ہم نے دنیا بھر کے فلسفوں پر نظر ڈالی اور "وحدت الوجود" کے مہیب و پُر شکوہ نظریہ سے لے کر "سانپ کی پوجا" کی توہم پرستی تک ہمارے حیطۂ بحث میں آ گئی۔ تاریخ سلف اور حیات حاضرہ ہمارے سامنے پھیلی پڑی تھیں۔ ہر چند جمالی ابھی نوعمر تھا، لیکن نہایت پختہ عقل اور

دوربین اور غالباً یہی وجہ تھی کہ لوگ اسے سمجھنے میں غلطی کرتے تھے، حتیٰ کہ ذہین ترین لوگ بھی۔ چنانچہ اس کے دوست بھی گنتی کے تھے۔ انسان کی فطرت ہے کہ وہ ہر چیز پر جو بلند ہے۔ پتھر پھینکتا ہے۔ یہی راز جمالی کی مخالفت کا محرک تھا۔

اب مجھے دنیا کے ہر فلسفے میں نقائص نظر آنے لگے، اور پہلی بات یہ معلوم ہوئی کہ فلسفہ کبھی انسان کی فطرت کے جذباتی پہلو سے ہم آہنگ نہیں ہوسکا۔ ہر غور و فکر کرنے والا آدمی نظر انداز کر دیتا ہے اور نہیں سوچتا کہ وہ ایک ایسا نظریہ مرتب کر رہا ہے جو دوسرے انسانوں کی، ایسے انسانوں کی جو گوشت و خون سے بنے ہیں رہبری کرنے کیلئے ہے۔ فلاسفہ کے درشت و محکم اصولوں نے لوگوں کو غیر انسان بنانے کا کام انجام دیا۔ برخلاف اس کے کہ وہ اُن کو اور زیادہ انسان بناتے۔ چنانچہ فلسفے کے نظریئے ایسے نظریئے ہیں جو صرف اُن کے بنانے والوں کے لیئے ہی مناسب ہوسکتے ہیں۔ لیکن ارباب غور و فکر اُسی تخیلی غلطی میں مبتلا ہیں کہ اُن کے نتائج اور اصول اُن لوگوں کے لیئے بھی مناسب ہوسکیں گے جو خود اُن فلاسفہ کے ماحول سے قطعاً متغائر، ماحول میں نشوونما حاصل کرتے ہیں۔ اب مجھ پر ان حقائق کا انکشاف ہوگیا تھا اور میں متحیر تھا کہ یہ لوگ خود کیوں اس غلطی

کا احساس نہ کر سکے۔ دُنیا کے سخت اور بے رحم حادثات سے اُن کو یہ احساس ہونا چاہئے تھا۔ لیکن یہ جب ہی ہو سکتا تھا کہ یہ لوگ ماہیت اشیاء و واقعات کو اپنی شخصیتوں سے علیحدہ ہو کر دیکھتے۔ غرض اس نکتے پر پہنچنے کے بعد فلسفے کے مسلمات کی وقعت میری نظروں سے گر گئی اور مجھے معلوم ہو گیا کہ تمام آدمی مساوی طور پر دانشمند یا اسی قدر بیوقوف ہیں۔ یہ راز کہ دنیا ایسے فلسفیوں کو "اعظم" کا لقب دیتی ہے، اس طرح واضح ہو گیا کہ چونکہ اُن کے اقوال بے معنی تھے یا دوسرے لفظوں میں دنیا کی فہم و ادراک میں نہ آسکتے تھے، اس لئے دنیا نے اُن کو فہم سے بالاتر سمجھ کر "اعظم" کا لقب دے دیا: دُنیا کی فہم و ادراک سے بلند یا باہر ہونے کے صرف دو نتیجے ہو سکتے ہیں: یا تو وہ شخص ہلاک کر دیا جائے یا "اعظم" کا لقب پائے! عدم ادراک و نافہمیدگی مسترد کر دی جاتی ہے یا پھر اس کی پرستش کی جاتی ہے! اور بلاشبہ اگر ایک شخص یہ نہ سمجھ سکے کہ اُس سے کیا کہا جا رہا ہے تو دنیائے حکمت کے پاس اس کا کوئی علاج نہیں۔ ان فلاسفہ کے پاس کوئی امکانی ذریعہ نہیں ہے کہ وہ اپنے اصول اس شخص کے ذہن نشین کر سکیں۔ اس نتیجے پر پہنچ کر میرے خیال میں فلسفے کا کوئی

جدید اسلوب مرتب کر لینا کوئی بڑی بات ہی نہ معلوم ہوتی تھی۔
میں نے جمائی پر اپنا خیال ظاہر کیا۔ ہم دونوں گفتگو کرتے رہے۔ اُس نے ایک اور ہی نظریہ پیش کیا:-

"مجرمین، حقیقتاً ایک زیادہ ارفع اور عظیم تمدن کے ہراول ہیں اُنکے اعمال جو ارح اس اصول کی توہین کے خلاف ایک طرزِ احتجاج ہے، جس کے ارتکاب سے سوسائٹی نے ترقی کی راہ مسدود کر رکھی ہے اور جس نے ذہنِ انسانی کی طبعی تربیت اور اُس کی قوت کے استعمال سے اور اس طرح اُسے اسرارِ فطرت کے حصول سے محروم کر دیا ہے۔ جتنے بڑے لوگ گزرے ہیں سب اپنے عہد کے مجرم تھے۔ جتنے انبیا اور اوتار گزرے ہیں سب کے ساتھ مجرموں کا سا برتاؤ کیا گیا ہے۔ وہ طاقتیں جنھیں بدی سے تعبیر کیا جاتا ہے ہمیشہ سے قوائے متحرک اور ترقی پذیر رہی ہیں۔ نیکی ہر زمانے میں ایک ایسی اصطلاح رہی ہے جس کے معنی و مفہوم کچھ نہیں اور جو ہمیشہ ایک معمہ رہی اور قوانینِ حرکت یعنی حیات کی مخالفت کرتی رہی ہے!"

"مجھے ہمیشہ سے انسان کی عادت غور و تامل پر جسے ذہن و تعقل کہا جاتا ہے اعتراض رہا ہے کیونکہ جس چیز کو تر کیز

ذہنی کی قوت کہا جاتا ہے وہ ایک مرض ہے، ایک بیماری ہے، اور اس بات کی بہترین تاویل ہے کہ انسان مادرِ گیتی کے پیش کردہ تحائف اور انعامات سے کیوں پورا پورا فائدہ نہیں اٹھاتا۔ انسان نے، جو دوسری مخلوق کے مقابلے میں اس کا زیادہ اہل تھا کہ ان قوتوں سے کام لے جو خود اُس کے وجود کا سبب ہوئیں، اپنی طاقتوں کو اپنی ہی جنس کے تباہ کرنے میں استعمال کیا ہے۔

"غور کرو کہ ایک انسان کے مقابلے میں ایک درخت کی زندگی کتنی مکمل ہے حالانکہ اُس میں انسان کی طرح تفحص و تفتیش کی اہلیت نہیں ہے، یا بزعمِ انسانی وہ اہلیت سے معرّا ہے۔ اسکی تمام تر کوششیں اگرچہ اپنے مفاد کے لئے ہوتی ہیں تاہم وہ خود غرضی کے عام مفہوم کا مجرم نہیں، کیونکہ وہ دوسروں کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ وہ آفتاب کی روشنی جذب کرتا ہے، اس سے بالیدگی حاصل کرتا ہے۔ اور پھر اپنے ماحول کی دوسری صورتوں میں خاموشی کے ساتھ تحلیل ہو جاتا ہے۔ اس کی فنا بھی حسن و شعر سے خالی نہیں۔

"تم نے کبھی سوچا کہ ایک درخت اپنی شاخیں کس طرح

روشنی کے لئے پھیلا دیتا ہے؟ اسکی پتیاں کیونکر اوپر کی سمت دیکھتی رہتی ہیں؟ وہ اس پر قانع ہوتی ہیں کہ روشنی کا لطف اٹھانے کے لئے زندہ رہیں اور یہ حقیقت کہ دوسرے درخت بھی روشنی سے اتنا ہی مستفید ہوتے ہیں، کسی درخت میں رشک وحسد پیدا نہیں کرتی۔ جب میں ایک درخت کو سکون وطمانیت میں کھڑا دیکھتا ہوں تو مجھے اپنے انسان ہونے پر شرم آتی ہے۔ درخت، پھول، حیوان سب کے سب، خوفناک لوازادراک، یعنی ذہن وتعقل سے معرّا ہیں، جو انسان کو مصیبت کی طرف رہنمائی کرتا ہے!"

ہم نے اس سفر میں اتنی باتیں کیں کہ معلوم ہوتا تھا ہم برسوں سے سفر ہی میں تھے۔ الغرض ہم بمبئی پہنچ گئے۔ بمبئی! وہ عظیم الشان شہر! جس وقت ہم وہاں پہنچے صبح طلوع ہورہی تھی۔ ہم نے اُسے اس وقت دیکھا جب وہ دن کی جدوجہد کے لئے آنکھیں کھول رہی تھی۔ میں اور رجبا کی پھیرتے رہے۔ وہ پہلے بھی وہاں کا سفر کرچکا تھا۔ ہم بمبئی میں تھے جسے دیکھنے کا مجھے ازحد شوق تھا۔ جس کے لئے میرے بہت سے خیالات وقف رہ چکے تھے۔

میں نے محسوس کیا کہ میں اس مقام سے محبت کر سکتا ہوں، اسکی حالتِ تصویر سے الفت کر سکتا ہوں۔ جب سورج اچھی طرح نکل آیا اور اس کی کرنیں یکسر جستجو بن کر ایک ایک گوشے میں پہنچنے لگیں، تو تمام راستے اور گلیاں حیاتِ انسانی کے طوفان سے لبریز ہوگئیں۔ لکھنؤ بھی ایک شہر ہے اور ایک شہر بمبئی ہے! میرا دماغ اس مقابلے کے لئے وقف ہو کر رہ گیا۔ بمبئی جو حیات سے لبریز انکت و پیچیدگی سے معمور ہے، وہ معانی پیش کر رہی تھی جسکی وسعت ذہن میں نہ سماتی تھی۔ لکھنؤ کا وجود اس کے سامنے محو ہوا جا رہا تھا؟ بمبئی! آرزو، مدعا اور مطالعۂ حیات کی زبان بنی ہوئی تھی! وہاں پہنچکر انسان دنیا کی نبض پہچان سکتا ہے!

اس عظیم الشان شہر کی ہنگامہ خیزی ہیبت ناک تھی، لیکن اس طغیانِ شورش میں ہر آواز جو سامعے تک پہنچتی نرم ہو کر پہنچتی تھی؛ اس کی درشتی اسکی عظمت میں گم ہو گئی تھی۔ کم درجہ شہروں میں شور وغل بہت زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔ بمبئی واقعاً چھوٹے پیمانے کی ایک دنیا معلوم ہوئی۔ وہ تمدن جدید کے عمل کا ماحصل بورہی تھی، وہ ماضی کا نتیجہ تھی اور حال کا

بھی، وہ ماضی کے معانی بھی اور حال کے بھی: ماضی و حال کا یہ امتزاج حیرت میں مبتلا کر دینے والا تھا اور دیوانہ بنا دینے والا بھی!
یہ تھی بمبئی جسے میں نے پہلی بار دیکھا!
ہم دونوں مختلف مشہور مقامات کی سیر کو گئے۔ میں نے بمبئی کو اور تمام شہروں سے زیادہ اس بات کا اہل پایا کہ وہاں حیات کا مطالعہ کیا جائے۔ ایک شخص وہاں بیٹھ کر اپنے ماخوذات و نتائج میں آنکھیں بند کر کے محو ہو سکتا ہے اور کوئی اُسے پریشان نہ کرے گا۔ یا وہ چشم بیدار کے ساتھ ماحول اور شعر آفریں زندگی کو سمجھنے کے لیے غور کر سکتا ہے اور کوئی دخل نہ دیگا!
جمالی بمبئی میں زیادہ نہ ٹھیرا۔ وہ وہاں سے چلا گیا اور پھر مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کہاں گیا۔ بمبئی میں مجھے کامیابی ہوئی۔ شہرت و عزت اور دولت اب میری کنیزیں تھیں۔ میں اکثر جمالی کے بے پتہ ہو جانے پر محو ہو جاتا ہوں۔ میری عزت و دولت مجھے مسرور نہیں کرتی اور میں اسکی تلاش میں کھو جانا چاہتا ہوں۔
دنیا کی بیوقوفی ظاہر ہے کہ وہ کبھی کسی بات پر غور نہیں کرتی۔ اب میں ایک بہت بڑا مصنف سمجھا جاتا ہوں۔ کیونکہ

میں نے چند کتابیں لکھی ہیں حالانکہ جس مبحث پر میں نے یہ کتابیں لکھیں ہیں میں خود اُس کو نہیں سمجھتا۔ میرے لئے اس کے سوا چارہ نہ تھا۔ حماقت کی یہ قلتبازی کرنا ناگزیر تھی، کیونکہ میں اتنا قوی نہ تھا کہ تاریکی و ذلت میں زندگی بسر کرسکوں۔

میں پھر لکھنؤ آگیا اور اب میں تازہ دم تھا مجھ میں طاقت تھی۔ میں اپنی شہرت و عزت کو وہاں بھی ثبت کرنا چاہتا تھا جو مجھے جمالی کے ذریعے سے حاصل ہوئی تھی۔ یہاں پہونچکر میں نے جمالی کے متعلق ایک عجیب روایت سُنی، یعنی وہ مجرم تھا اور روپوش!

میں نے اس کی کھُلّم کھلّا طرفداری اور حمایت کی اور دنیا نے وہی کیا جو وہ ہمیشہ سے کرتی آئی ہے۔ یعنی کسی کی ذلت و ہبوط پر پتھر پھینکے۔

امتداد وقت کے ساتھ جمالی لوگوں کے ذہن سے محو ہوگیا اور ساتھ ہی میری شہرت و دولت نے لوگوں کو میرے جمالی کی حمایت و طرفداری کرنے کو نظر انداز کردینے پر مجبور کردیا؛ میں اب مقبول و معزز تھا۔ لیکن جمالی کی خوبیاں اور اس کا جرم ایک معمّہ ہی جو میرے خیالات کا مستقل اور تنہا موضوع بنا ہوا ہی! سنہ ۱۹۲۳ء

کامرانِ ناکامی

"سما فوانیشن" کا ایک حصہ صناعوں اور مداحینِ صناعت
وفن کے علاوہ سوسائٹی کے اُن افراد سے معمور نظر آتا تھا جو اگرچہ
فنِ نقاشی سے تو بے بہرہ ہوتے ہیں، لیکن محض نمائش تہذیب کے
لئے اور کچھ اس غرض سے کہ ہر ملنے کے قابل ہستی کا وہاں ہونا یقینی
ہوتا ہے، نمائش میں جاتے ہیں۔ غرض نمائش کا پہلا دن تھا اور کلکتے
کی "تہذیب" سوسائٹی کے افراد سے ایوانِ نقوش معمور تھا۔

جمالی، ایک نوعمر نقاش تھا، اور ہر چند اُسے اپنی نقاشی
کی قدر و قیمت کا ناخوشگوار اندازہ ہو چکا تھا، لیکن وہ اُمید جو ہر
ناکام دل میں ہمیشہ مستور و مرکوز رہتی ہے، جمالی کے دل میں بھی
جلوہ فگن تھی: شاید اس کی تصویر کو اس مرتبہ کوئی درجہ مل جائے!
اس وقت جب کہ وہ اپنے ہی بنائے ہوئے نقش کے سامنے کھڑا
ہوا تھا دیکھ رہا تھا کہ لوگ گزرتے چلے جا رہے ہیں اور ایک نیم
نگاہ ہی صرف کرنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ خدا
جانے لوگوں نے اس کے نقش پر کس قدر استہزا کیا ہوگا۔ اُس نے

محسوس کیا کہ یہ پریسیڈنٹ کمیٹی کی عنایت کا نتیجہ تھا جو اس کی تصویر نمائش میں آویزاں بھی ہو سکی۔ اُسے رنج تھا کہ ایک دوست کا کیوں احسان مند ہوا؟ اُمید کو کیوں تباہ کیا؟ کیوں اس یقین کو جزبدا کہ وہ صناع نہیں بن سکتا؟ اس احساس سے اُسے صدمہ ہوا کہ تصویر کو نمائش میں جگہ دینے کا باعث پریسیڈنٹ کی محض دوستی ہی نہیں، بلکہ وہ رحم کا جذبہ ہے جو کسی ناکام کی ناقابلیت کے ساتھ بعض نیک طبیعتوں میں پیدا ہو جاتا ہے۔ عدم قابلیت کی اس حالت رحم طلب کے خیال سے جبا کی کو از حد اذیت پہنچی۔ اس کی حسِ خودداری کو صدمہ پہنچا؛ حالانکہ آج سے ایک مہینہ قبل جب وہ اپنے نقش کو نمائش میں روانہ کر رہا تھا، اُس کے دل میں بچوں کی سی خواہشیں اور اُمیدیں پیدا ہو رہی تھیں۔

اس منافی احساس کی حالت میں اُس نے اُس تصویر پہ ایک نظر ڈالی" اور پھر اُس کے چہرے پہ ناامیدی کے آثار نمایاں ہو گئے۔ چند لمحوں کے بعد وہ چونکا کہ مبادا کوئی اُسے اس حالت میں دیکھ رہا ہو ——— شاید کوئی اُس تصویر ہی کو دیکھ رہا ہو! اُرخ بدلتے ہی اس کی نگاہیں ایک عورت کی نگاہوں سے ملیں؛ اور ایک مختصر وقفے کے لئے دونوں ایک دوسرے کو

بے محابا دیکھتے رہے؛ اور پھر اپنے اس دیکھنے پر متعجب بھی ہوئے۔ اس لڑکی کے رخساروں پر انفعال[1] کا رنگ پیدا ہوا، جسے چھپانے کے لئے وہ نگاہیں نیچی کر کے "فہرست" دیکھنے لگی؛ لیکن جمالی اُسے برابر دیکھتا رہا اور اُس کے انتشار اور انفعال میں اُسے لطف آرہا تھا۔

یہ ایک یہودی لڑکی تھی؛ اگرچہ لڑکی ہونے کی حد سے گزر گئی تھی۔ وہ حسین نہ تھی، اُس کے شلجمی رنگ میں وہ غیر دلکشی ازبس نمایاں تھی جو یہودی خدوخال کی خصوصیت ہے۔ یہی باعث تھا کہ جمالی نے اس کے منفعلانہ انداز میں بھی کوئی دولُق نہ پائی۔ وہ جب اپنا صناعانہ جائزہ ختم کر چکا تو اُسے محسوس ہوا کہ وہ لڑکی نہ صرف اُس کے شوقِ عجائب پسندی کو ملتفت کر سکی ہے، بلکہ جذبات کو بھی حرکت میں لے آئی ہے؛ کیونکہ اُس کی دلکشی و زیبائی اور محرومیِ حسن و رعنائی، جمالی کو اس کی ہستی کا ایک جانگداز سانحہ نظر آیا، جس سے اس کی روح متاثر معلوم ہوتی تھی۔ اس احساس سے جمالی کے دل پر بھی ایک گہرا اثر ہوا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ اُس کا انتشار ہر لحظہ زیادہ سہرحم ہوتا جاتا ہے۔ وہ جراءت کر کے ایک قدم آگے بڑھا

[1] یہ لفظ اور اس کے مشتقات اردو میں شرم کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں اس کے

اور کہنے لگا :۔

"آپ اس تصویر کو دیکھ رہی تھیں! آپ کا اس کے متعلق کیا خیال ہے؟"

اس لڑکی نے نظر اٹھائی، بشرے پر انفعال رنگ پاشیاں کرنے لگا۔ ہاتھوں کا ارتعاش خفی "فہرست" کی جنبش سے ظاہر تھا، جس کے صفحے کو اس کی انگلیاں مروڑے ڈال رہی تھیں۔ لب کشادہ تو ہوئے، لیکن آواز نکلنے سے قبل تلاشِ صدا میں کئی بار متحرک ہوئے، اور پھر ایسے لہجے میں جس سے کسی قدر ہیجان مترشح تھا، غیر متوقع فصاحت و سلاست کیساتھ کہنے لگی:۔

"جی ہاں، میں اس تصویر کو دیکھ رہی تھی۔" اُسکی آواز نہایت دلنشین و زمزمہ پرور تھی۔ شاید فطرت کو یہی بھایا کہ اُس کے حصّے کا تمام حسن صرف اس کی آواز کو سونپ دیا تھا۔ "آپ بھی اس تصویر کو ملاحظہ فرما رہے تھے؟ بے شک میں اُسے دیکھنے کے لئے رکی تھی، کیونکہ تمام نمائش میں مجھے کوئی تصویر اس سے زیادہ دلکش معلوم نہ ہوئی۔ غالباً نقاشی کے اس انداز کو "تاثریت" کہا جاتا ہے؟ میں اُسے بیحد دلچسپ سمجھتی ہوں! آپ کا کیا خیال ہے؟"

"آپ صحیح فرماتی ہیں، میرا بھی یہی خیال ہے۔" جمالی نے جواب دیا۔ "یہ تصویر بیشک دلچسپ ہے؛ انتہا ہمیشہ جاذب ہوتی ہے! انتہائی خوبی ہو یا انتہائی برائی، ہمیشہ دلکش ہوتی ہے۔ اس میں آخری صفت بدرجہ اتم موجود ہے، اور اس لئے یہ تصویر بے شک خوب ہے!"

"آپ کا واقعی یہ خیال ہے؟" اس نقیض رائے سے وہ ذرا خفیف سی ہو گئی اور کہنے لگی "آپ کو یقین ہے کہ آپ کا یہ خیال غلط نہیں ہو سکتا؟ میں اُسے ایک عمدہ تصویر سمجھتی ہوں۔ میرا خیال ہے کہ یہ تصویر صناع کے کسی پیغام کی حامل ہے، جس کے سمجھنے میں قاصر ہوں۔ میں اس کا مفہوم سمجھ نہیں سکی ہوں۔ معلوم نہیں یہ کس کا نقش ہے؟" یہ کہہ کر "فہرست" سے نام معلوم کرنے میں مشغول ہو گئی۔

"یہ میری ہی بنائی ہوئی تصویر ہے۔" جمالی نے کہا۔ اتنے میں اُس نے کتاب میں نام بھی دیکھ لیا تھا۔

"جمالی، مسٹر جمالی!" اُس کے موہنہ سے بے ساختہ نکل گیا۔ وہ خاموش ہو گئی، اور اُس کی آواز کا غیر معمولی حسن سکوت میں تبدیل ہو گیا۔ وہ جمالی کو دیکھنے لگی، اور جمالی نے ذرا منتشر

ہو کر آنکھیں نیچی کر لیں۔ وہ پھر اُس سے باتیں کرنے لگی اور اس کی آواز کا لحن یہ یقین کرا دینے کو کافی تھا کہ وہ کسی لطیف اور برق صفت ہستی سے صادر ہو رہی ہے۔

"میں خوش ہوں کہ مجھے آپ کا یہ نقش پسند آیا؛ اس سے قبل کہ مجھے یہ علم ہو کہ وہ آپ ہی کا نتیجۂ قلم ہے۔ لیکن آپ اپنے متعلق ایسے غیر لطف آمیز کلمات کیوں استعمال فرماتے ہیں؟" وہ کہنے لگی۔

"آپ واقعی نوازش فرما رہی ہیں۔ لیکن حقیقتاً یہ نقش اس قدر عزت کا مستحق نہیں؛ میرا شوقِ نقاشی ایک مجبور کر دینے والا لیکن بدنصیب شوقِ نقاشی ہے۔ میں نے ہمیشہ تاثر کو اپنی نقاشی کا انداز قرار دیا اور شروع سے اس سعی میں مصروف ہوں کہ میرے قلم سے ایک عمدہ نقش پیدا ہو جائے لیکن آپ دیکھ رہی ہیں ——— ہر نقش کی یہی قسمت نکلی؟ حالانکہ میں نے ہر بار غیر فانی ہی نقش بنایا!" جمالی نے اُسکے جواب میں کہا۔

"میں اعتماد کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ آپ غلطی پر ہیں، آپ کا یہ یقین ہی کہ آپ صناع نہیں آپ کی صناعی کی دلیل

ہو سکتا ہے ؛ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی صناعۃ نہایت وقت لپند واقع ہوئی ہے۔" اُس کے لہجے میں واقعی تیقن تھا "کاش میں آپ کی نقاشی کے مزید نمونے دیکھ سکتی !" اس نے نہایت دلسوزی کے ساتھ کہا۔

"کیا آپ میرا اور کام دیکھنا لپند کریں گی ؟" اُس کے اظہارِ خیال پر متبسم ہو کر جمالی نے کہا۔ اس کے اس سوال میں ایک دعوت پنہاں تھی۔

"یعنی ؟"

"یہ کہ میرا نگارخانہ یہاں سے بہت دور نہیں ہے۔ اگر آپ چاہیں تو ابھی میرے ساتھ چل کر میری نااہلی کا ثبوت کثرت کے ساتھ دیکھ سکتی ہیں۔"

"جمالی کی اس دعوتِ بیباک پر وہ پھر منفعلانہ احساس کا مظہر بن گئی۔ سخت متحیر اور گونہ خائف نظر آئی۔

(۳)

جمالی اپنی دوسیٹ کی موٹر چلا رہا تھا، اور فرحا اس کے برابر بیٹھی ہوئی اپنے اندر ایک عجیب سنسناہٹ کا احساس پا رہی تھی۔ اس وقت اُس کی ساری ہستی، روانی

خیال، جذباتِ قلب، التہابِ خون، حرکتِ نبض، غرض اسکی ہر شے صرف ایک فرض انجام دے رہی تھی: یعنی وہ اپنے تاثرات کے مخفی اظہار میں مصروف تھی اور ایک پندار کے ساتھ خیال کر رہی تھی کہ آخر کار ایک واردات ہاں ایک رومانِ آفریں واردات، اس کو بھی نصیب ہو گئی! اس وقت وہ محض اس احساس کے لئے زندہ تھی کہ وہ ایک ایسے آدمی کے برابر بیٹھی ہے جس نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا ہے، جس کے ہاتھوں نے اُسے چھوا ہے، اور جو ایک حاکمانہ انداز کے ساتھ اُسے لئے جا رہا ہے! گویا اس وقت فرحا اپنے رقیق جذبات کا ایک طوفان بنی ہوئی تھی، نازک حیات کا ایک محشر لئے ہوئے تھی، اور اپنے خوابِ آرزو کی تعبیر!

وہ جانتی تھی کہ وہ حسین نہیں ہے، اس میں کوئی رعنائی نہیں ہے! لیکن اس علم پر بھی عورت کے نسوانی پندار کا جذبہ دل کے کسی گوشے میں مستور رہتا ہے، ایک رمقِ امید ——— تمنائے رومان کی گہوارہ جنبانی کرتا رہتا ہے۔ لوگ اس کے پاس سے گزر جاتے اور وہ کسی کو

نہ جان سکتی تھی گویا وہ نوعِ بشر ہی سے نہ تھی! لیکن پھر بھی، اس کے دل کی تہ میں یہ اُمید پوشیدہ تھی کہ ممکن ہے کسی وقت وہ ایک آدمی کی تپلیوں میں عکس انداز ہو سکے اور وہ شخص اُس کے لئے رافت و ملاطفت لے کر آئے۔

موٹر ایک بلند عمارت کے سامنے رُکی، جمالی نے اتر کر موٹر کا دروازہ کھولا، ہاتھ کا سہارا دے کر اُسے اُتارا، دونوں کی اُنگلیاں ملیں، اور فرحا کی نبضوں میں غیر معمولی سرعت پیدا ہو گئی۔

"میرا نگارخانہ اوپر کی منزل میں ہے۔" اُس نے کہا مگر فرحا پر ایک ہراس طاری ہو گیا۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ وہ چھڑا کر بھاگ جانا چاہتی ہے۔

"مگر" وہ بولی "مجھے اندر تو نہ جانا چاہئے۔ میں خدا جانے اب تک کس خیال میں تھی، میں آپ سے واقف بھی تو نہیں!"

"اس سے زیادہ تعارف اور کیا ہو گا! آپ مجھ پہ اعتماد کر سکتی ہیں۔" جمالی نے مسکراتے ہوئے کہا! اور ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر دروازے میں داخل ہو گیا۔ اوپر پہنچکر دروازہ کھولا۔ اُس کے داخل ہونے کا منتظر رہا وہ اب بھی

جھجکی تھی، اور ایک خستہ و مضمحل طائر کی طرح جو قفس میں بند کیا جا رہا ہو کمرے کے اندر داخل ہوئی۔

کمرہ خاصا بڑا تھا دریچوں اور دروازوں پر نیلی رنگ کے پردے پڑے تھے؛ چھت میں ایک بڑا روشندان شیشوں سے ڈھکا ہوا تھا، اور ٹھیک اُس کے نیچے جمالی کا "مرقع گیر" کھڑا تھا، سارا کمرہ نقوش و تصاویر سے بھرا ہوا تھا۔ اور تصویریں نہایت بے ترتیبی کے ساتھ، جا بجا پڑی تھیں۔

"اس ہنگامہ نقوش کو دیکھئے، برسوں کا ذخیرہ ہے۔ میرے کسی مصرف کا نہیں، کسی کے لئے بھی کارآمد نہیں۔ آپ ملاحظہ کیجئے!" جمالی نے ہنس کر اُس سے کہا۔

فرحا کا خوف دور ہوتا نظر آیا۔ اُس کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ جمالی کو اُس کے خیال کی غلطی کا یقین دلا دے؛ اپنا یقین و اعتماد اُس کے دل میں منتقل کر دے کہ اس کی صناعی بیکار نہ تھی۔ وہ اُس کی جانب مڑی۔ جمالی کا ایک رُخ اُس کے سامنے تھا اور تبسم ہونٹوں کا کنارہ نظر آ رہا تھا۔ وہ نہایت نرم لہجے میں مخاطب ہوئی۔ آواز کی موسیقی نے کمرے کی خاموشی میں بے چینی کی لہر دوڑا دی۔

"میں ان تمام تصاویر کو دیکھوں گی؛ ہر ایک سے لطف و انبساط حاصل کروں گی۔" شوق و خلوص کے اندر اس کا اندیشہ بالکل محو ہو گیا اور دفعتاً ایک رنگ بے تکلفی نمایاں ہونے لگا۔ وہ "مرقع گیر" کے سامنے کھڑی ہو گئی اور ایک نامکمل تصویر کو دیکھنے لگی: یہ ایک دوشیزہ کی تصویر تھی جو ایک چھوٹی سی میز سے لگی کھڑی تھی، پشت کا منظر ارغوانی تھا، اس کی شانوں پر ایک نارنجی شال پڑی تھی، اور اس کا ہاتھ زربفتی میز پوش کو چھو رہا تھا۔

"اوہ! آپ غلطی پر ہیں، آپ اپنی حقیقت کو خود نہیں دیکھ سکتے! کس قدر دلکش تصویر ہے! یہ کب مکمل ہو جائیگی؟ مجھے اس کا اندازِ نقاشی بہت مرغوب ہے۔ آپ نے پس منظر کو ارغوانی اور اس کی شال کو نارنجی دکھایا ہے — ارغوانی ایسا جو بالکل ارغوانی نہیں، نارنجی ایسا جو بالکل نارنجی نہیں، بلکہ سُرخ اور نیلے باریک خطوط، زرد اور سُرخ باریک خطوط ہیں، جن کا اتصال ایک حیرت ناک امتزاج پیش کر رہا ہے!"

اس تعریف کے بعد وہ بہت سے سوال کرتی رہی جن سے اس کا شوق و خلوص عیاں تھا؛ اور جو فنِ نقاشی

سے متعلق تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس کا شوقِ جوش پرورا نہیں رکھتا! جمالی بھی اب اس داد میں ایک لذت سی پانے لگا۔ اب وہ اپنے اندر جسارت نہ پاتا تھا کہ اسکی باتوں پر مسکرا سکے، اسکی نقاشی تا حال پیغامِ حسن کسی نظر تک نہ پہونچا سکی تھی مگر اس وقت ایک ہستی نہ صرف اس کے پیغامِ حسن کو سمجھ رہی تھی بلکہ اسے الہام باور کر رہی تھی! وہ بھی بے تکان جواب دے رہا تھا اور نہایت لطف بار لہجے میں۔ وہ اب اس کی غیر دلکشی پر ہنستا نہ تھا بلکہ جوں جوں وہ زیادہ گفتگو کر رہی تھی وہ اس کے خیالات سے زیادہ متاثر ہو رہا تھا؛ حالانکہ یہ خیال اس کے ذہن سے محو نہ ہوا تھا کہ اس توصیف سے اس کا فن ذی وقعت نہیں ہو سکتا لیکن ایسی صورت میں بھی فرحا کی ہستی اس کے لئے ایک الہام تھی جس نے نازل ہو کر جمالی کے ذہن و دماغ کو آنِ واحد میں شگفتہ کر دیا تھا۔

اس وقت سے لے کر جب جمالی نے اسے نمائش میں مخاطب کیا تھا، فرحا کی اس وقت تک کی تمام کیفیات جن میں اس کی جھجک، اس کے دل کی دھڑکن، ایک آدمی کے قریب ہونے کی مسرت، ہراس اور پھر توقعات کی بیباکیاں، کچھ خوف اور

کچھ خوشی شامل تھی، جمالی کے پیشِ نظر تھیں وہ گفتگو کرتی تھی اور یہ اُس کے چہرے کو دیکھتا تھا۔ بالآخر وہ اس کی روح کی انبساط آگینی سے جو ہنوز غیر منظم تھی، اُس کی عالی حوصلگی سے جو ابھی کوئی مرکز نہ رکھتی تھی، آشنا ہو گیا! اُس نے ایک ایسے جذبے کا علم حاصل کر لیا جس کا ادنیٰ کرشمہ دلکشی و جاں سپاری ہے! چنانچہ تھوڑی دیر قبل کے اور اسوقت کے جمالی میں کوئی نسبت نہ تھی۔ اپنی صناعت کے متعلق جو مایوسی اُس کے ذہن پر مستولی ہو چکی تھی اُس کی جگہ اب پندار و تکبر کو مل رہی تھی۔ فرحا کی غیر دلکش ہستی میں وہ اب کشش محسوس کر رہا تھا، کیونکہ جو داد وہ دے رہی تھی خلوص کے سوا اُس کا کوئی محرک نہ تھا، جو حال وہ پیش کر رہی تھی غم کے سوا کوئی جوہر نہ رکھتا تھا! اور خلوص و غم جب حقیقی ہوں تو پھر اُن کا سحر باطل نہیں ہوتا! وہ تھک کر صوفے پر بیٹھ گئی اور جمالی بھی اُس کے برابر بیٹھ گیا۔ فرحا کے غذارِ بے رنگ میں انفعال کا رنگ پھر جھلکا، اور وہ ایک لمحے کے لئے اپنی انگلیوں کو آپس میں لف و نشر کرتی رہی۔

"میں آپ کا از حد ممنون ہوں۔" جمالی نے نہایت نرم لہجے میں کہا۔

"کیوں؟ ممنون ہونے کی وجہ؟"

سچ تو یہ ہے کہ یہ بدرنگی کسی داد کی مستحق نہیں!
تاہم میں خوش ہوں کہ یہ نقوش آپ کیلئے وجہ انبساط ہو سکے۔"

"کاش میں آپ کو اس کے خلاف یقین دلا سکتی!
کیا آپ کو اپنی غلط خیالی کا یقین نہیں ہوتا؟"

ایک انتہائی بے نفسی کے ساتھ اُس نے اپنا ہاتھ بڑھایا، اور پھر کچھ سوچ کر صوفے پر ٹیک دیا۔ جمالی نے جو اس کے عجز خلوص سے نہایت متاثر ہو چکا تھا، اُس کا منشا سمجھا۔ اُسنے اُس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا؛ اور اُس کے عضلات میں ایک سریع تشنج کا اثر محسوس کیا۔ سرد ہاتھ کو آن واحد میں گرم ہوتا ہوا پایا۔ وہ اُس کی صورت دیکھنے لگا۔ کچھ کہنے کے لئے فرحا کے ہونٹ کھل کر رہ گئے۔ گویا سیل نطق میں دفعتاً انجماد پیدا ہو گیا۔ ہاتھوں کے لمس نے تکلم کو سکوت میں بدل دیا۔ آنکھیں بڑی بڑی معلوم ہونے لگیں، اور جمالی کی شکل پر قائم ہو گئیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اُس کے دل میں

بیک وقت خوف پیدا کر رہا تھا اور اُمید بھی۔ جمالی کو اُس کے حسیات و توقعات کا اندازہ ہوا اور اُس کے بازو خود بخود کشادہ ہو گئے۔ اب جمالی کی آغوش خالی نہ تھی اور دونوں کی آنکھیں بند تھیں!

جدا ہونے کے بعد بھی جمالی نے دیکھا کہ وہ ابھی تک آنکھیں بند کئے ہوئے ہے۔ اپنے جذبات کے سحر خود فراموشی میں ہنوز ڈوبی ہوئی ہے۔

"یہ تم نے کیا کیا؟" چند لمحوں کے بعد کہنے لگی۔

جمالی نے اُس کے سوال کی معنی آفرینی کو سمجھا مگر اس کا جواب صرف دیکھتے رہنے سے دیا۔

(۳)

اس کے بعد جمالی پھر مغموم و ملول نظر آنے لگا۔ وہ جب اُس سے ملتا، اس کی مجروح جلوہ صورت کو دیکھا کرتا! اور وہ کبھی جمالی کی نقاشی کو سراہنے سے نہ تھکتی۔ جمالی اُسکی داد کو اب رغبت کے کانوں سے سنتا تھا؛ یہاں تک کہ اُسے کامیابی و شہرت کا بھولا ہوا خواب پھر یاد آنے لگا۔

اس دوران میں جمالی نے کوئی نقش نہ بنایا۔ وہ غیرشعوری

طور پر ایک تصویر کا خیال قائم کر رہا تھا، اُس دن کے بعد اس نے اُس کا بوسہ نہ لیا؛ لیکن اُس کی خواہش کو باوجود کوشش دور نہ کر سکا۔ فرحا اکثر کہا کرتی تھی۔

"یہ کیوں ناممکن تصور کر لیا گیا ہے کہ ایک عورت اور ایک مرد میں دوستی قائم نہیں ہو سکتی؟"

اور اُس کے اثبات میں دلائل پیش کرتی؛ وہ اس کے ممکن ہونے کی معتقد تھی۔

وہ ایک روز مرقع گیر کے سامنے کھڑی داد دے رہی تھی کہ جمالی کے دل میں ایک خیال پیدا ہوا جو نصف ملاطفت و ہمدردی تھا اور نصف پندار و اعتمادِ نفس۔ اس نے کہا:

"میں تمہاری تصویر بنانا چاہتا ہوں۔"

یہ سنتے ہی فرحا کی آنکھیں مسکرانے لگیں؛ گویا یہ اُس کی ایک چھپی ہوئی آرزو تھی۔ جمالی اُس کی بلند فطرت اور شرافتِ نفس سے اس درجہ متاثر تھا کہ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اُس نے اُسے ایک کرسی پر بٹھا کر اُس کے چہرے کا خاکہ بنانا شروع کر دیا۔ وہ اُس کے خد و خال کا اس طرح مطالعہ کرنے لگا گویا وہ کسی کتاب زریں کے صفحۂ منور کو

کو پڑھ رہا تھا۔ اس انہماک کا خود اُسے بھی احساس نہ تھا۔ جب خاکے بنا بنا کر وہ اُس کے خدو خال پر کامل طور پر متصرف ہو گیا تو اُس کو آب و رنگ میں نقش کرنا شروع کر دیا۔ وہ بتدریج نقش کرتا جا رہا تھا اور ہر لمس کے ساتھ اُس کی شکل کو دیکھتا جاتا تھا، یہاں تک کہ ایک روز جمالی نے اپنے دل میں ایک شعاعِ نور کو پر تو فگن ہوتے دیکھا، اُس کے خیال کا دروازہ کھلتا ہوا معلوم ہوا، اور آج اُسے پہلی مرتبہ یقین ہو سکا کہ وہ ایک عجیب و غریب نقش طیار کر رہا ہے! اُسے پہلی بار محسوس ہوا کہ وہ اُس کی روح کے ساتھ محبت کر رہا ہے! غرض اُس کے غیر جاذب خدو خال کے پردے میں اُس کی روحِ آرزو مند کی دلگدازی ہی کو جمالی اس طرح نقش کر سکا جس پر رویائے محبت کا نورِ اُمید جھلک رہا تھا!

جمالی نے فرحا کو وہ تصویر آخری وقت تک نہ دیکھنے دی تھی، لیکن جس وقت وہ اُسے بالکل مکمل کر چکا اور اُسے دکھایا تو ایک دبی سی چیخ کے علاوہ اُس کی خوشی کا اظہار فرحا کی موتی برسانے والی آنکھیں کر رہی تھیں۔

"اوہ! حیرتناک! معجزہ! یہیں ہوں؟ ہاں میں ہی ہوں۔ تم نے اس میں ایک بات رکھی ہے ..... ایک چیز جو حقیقتاً میں ہوں! وہ بات کیا ہے؟ میں محسوس تو کرتی ہوں مگر تو ضیح نہیں کرسکتی!" فرحا نے ہیجانِ مسرت کی حالت میں کہا۔

وہ اُس کے برابر ہی کھڑا تھا اور خوش تھا۔ اُس لحن سیمیں نے جس کے ساتھ فرحا کا شوق بھی اُسی درجہ ہمنوا تھا جمالی کو اُس کی کامیابی کا حق الیقین کرا دیا۔ فرحا اس وقت اپنی روح کو پہچان رہی تھی، جسے جمالی نے قفسِ رنگ میں بند کردیا تھا۔ اُس نے جمالی کی طرف دیکھا، آنکھیں مقابل ہوئیں، جن میں پروردۂ الم تمنا کا غبار چھایا ہوا تھا؛ اور وہ اب دوسری بار جمالی کی آغوش میں تھی؛ اور اپنے اندر ایک ایسی لرزشِ خفی کا احساس پاتی تھی جس سے جمالی کی گود بھی کانپ رہی تھی۔

(۴)

محبت کا ایک سال ایک ساعت ہو گیا، اور دوسرے سال کی نمائش میں اُسکی تصویر نے اوّل درجہ کا انعام حاصل

کرکے دنیائے صناعتہ میں زلزلہ ڈال دیا۔ مجلس نے جمالی کو اپنا صدر منتخب کیا۔ نقاشوں اور صناعوں کی مجلس اور کلبوں کی دعوتوں کا سلسلہ ایک عرصے تک جاری رہا۔ اکیڈیمی کی طرف سے اعلیٰ درجہ کا اعزاز جمالی کو دیا گیا۔ سوسائٹی کی خواتین کا اُس کے نگارخانے میں ہنگامہ رہنے لگا۔ جس دعوت میں جمالی نہ ہوتا وہ مکمل نہ سمجھی جاتی۔ غرض جمالی اب کامیاب تھا اور اُس کی ایسی تصویریں جن کو چند "رنگین لکیریں" کہا جاسکتا تھا، ہزار ہا روپیے قیمت پاتی تھیں۔ جمالی دن بدن فرحا سے زیادہ وابستہ ہو رہا تھا۔ اب سوسائٹی میں چرچے تھے کہ وہ اپنے "موڈل" سے محبت کرتا ہے۔ اور لوگ متحیر تھے کہ وہ ایسی کم درجہ عورت کو لے کر باہر کیونکر آسکتا ہے؟ فرحا کو جمالی کی موجودہ معاشری حیثیت کا احساس ایسے موقعوں پر ہوا جب بعض لوگوں نے اُسے جمالی کے ساتھ دیکھ کر پہلو بچایا۔ یہ باتیں جمالی سے فرحا کو جدا رکھنے کا باعث ہونے لگیں۔ اور جس قدر وہ اُس سے زیادہ جدا رہتی تھی، اُسی قدر جمالی کی رفاقت کی زیادہ جویا ہوتی تھی؛ حالانکہ فرحا کی اُمیدِ اولین کہ جمالی اُس کا

شوہر ہوگا' اب مردہ ہو چکی تھی؛ اُسے جمالی سے محبت تھی'
وہ اُسے عزت و شہرت کے منتہائے کمال پر دیکھنا چاہتی تھی۔
وہ محسوس کر رہی تھی کہ جمالی کی شہرت کے لئے یہ بھی نازیبا
ہے کہ وہ اُس کے ساتھ دیکھی جائے۔ چنانچہ اب اگر جمالی
اُس سے شادی کرنا بھی چاہتا تو وہ یقیناً انکار کر دیتی۔ جمالی
نے آخر کار یہ فیصلہ کیا کہ چند دن کے لئے اس کو کلکتہ چھوڑ
دینا چاہئے۔

ایک روز اُس نے دفعتہً فرحا سے کہا کہ وہ مطالعۂ
فن کے لئے فرانس جا رہا ہے اور تیسرے روز روانہ ہو جائیگا۔
بجلی جو خرمن کے ساتھ کر سکتی ہے' فرحا کے دل کے ساتھ جمالی
کے ان الفاظ نے کچھ اُس سے زیادہ ہی کیا۔ وہ کچھ نہ کہہ سکی'
خاموش تھی' آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں جن میں نم کا پتا
نہ تھا۔ جمالی نے اس کی ہر چند دلداری کی' اور چند بار اس
نقطے پر پہنچا کہ فرحا کا ادنیٰ سا احتجاج بھی اُس کے فسخِ عزم
کا باعث ہو جاتا لیکن اُس نے ایک حرف زبان سے نہ نکالا۔
فرحا اس اندیشے سے کہ جہاز پر اگر رخصت کرنے گئی اور اس
کے کسی اضطراری حال سے جمالی نے متاثر ہو کر سفر ملتوی

کردیا، یا کم از کم وہ اس خیال کو بھی ساتھ لے گیا، تو یقیناً اُس کے فن کے لئے جسے وہ جمالی کے برابر محبوب رکھتی تھی، مضر ہوگا، وہ ایک رات قبل ہی رخصت ہو لی تھی۔ لیکن اس روز بھی دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر، جہاز پر پہونچی اور ایک پوشیدہ مقام سے دیکھتی رہی: ہر چند جمالی تو نظر آتا تھا، لیکن جہاز جب تک آنکھوں سے اوجھل نہ ہوگیا وہ وہاں سے نہ پلٹی۔ اور پھر اُس پر ردِ عمل کی کیفیت طاری ہو گئی: دل بیٹھنے لگا اور چوبیس گھنٹے اُس نے کس طرح گزارے؟ تکلیف کا انشراح محال ہے لیکن اسکی آنکھیں دو اُبلتے ہوئے چشمے تھے!

جمالی کی رخصت کے دوسرے دن وہ گھر سے نکلی اور دواخانے سے لوم آور دوا کی ایک شیشی خرید لائی۔ مقدار سے بہت زیادہ پانی ملا کر گلاس کو سامنے رکھا اور یہ خط لکھ کر جمالی کے نام چھوڑ دیا:—

"میری ہستی تمھاری صناعتہ کیلئے ایک خطرہ ہے۔ اسے میں تمہارے راستے سے ہٹا دینا چاہتی ہوں تمہارا فن ہنوز تشنہ ہے، لیکن اس کے بعد تمہاری نقاشی میں جو رنگ پیدا ہوگا وہ ایک عجیب و غریب رنگ ہوگا تم مجھے اس سے

زیادہ اور کیا دیتے کہ میں تمہاری نقاشی میں ہمیشہ زندہ رہونگی ؟ اس کا معاوضہ میرے امکان کی بات نہیں، بجز اس کے کہ میں تمہاری صناعتہ کو خطرہ سے بچاؤں۔

آخر چہ نثار تو کنت مشتِ غبارم
یک سجدہ جبیں دانستم آں ہم زمیں ماند

خدا حافظ!"

لفافہ بند کرکے گلاس اٹھا کر پی لیا؛ اور ہمیشہ کے لئے سو گئی۔

۱۹۲۳ء

عیشِ مختصر

کشمیر کے ایک فردوس منظر حصے میں کہ وہاں کا تو ہر قطعہ رشک ارم و عدن ہے، دریائے جہلم کے کنارے ایک پہاڑی گاؤں کی مختصر و منتشر آبادی ویران تھی؛ کیونکہ سب لوگ آج پیر کی زیارت کو (عرس کی شرکت کرنے) گئے ہوئے تھے۔ اس قریئے کی مردم شماری بارہ پندرہ نفوس پر مشتمل تھی۔ گاؤں یکسر خالی تھا۔ البتہ گاؤں کے نمبردار کی لڑکی جس کا نام زونو تھا کسی وجہ سے نہ جاسکی تھی؛ اور اس کے علاوہ شعبان؛ جس نے گاؤں کی ضروریات کی بہم رسانی کے لئے ایک دوکان لگا رکھی تھی باقی رہ گیا تھا۔

غزال چشم زونو عالم دوشیزگی کے اس دور میں تھی جو ایک لڑکی کو ہمہ جستجو و یکسر تمنا بنا دیتا ہے۔ مگر وہ جستجو مبہم اور وہ تمنا نا معلوم ہوتی ہے۔ شعبان جوانی کی اس منزل سے گزر رہا تھا جس میں شباب کی طاقتیں انتہائی نقطۂ عروج پہ پہنچکر پھٹ پڑنے کے لئے ایک ہلکی سی چھیڑ چاہتی ہیں

مگر اس چھیڑ سے پہلے انسان کو ہستی کی اُن تزلزل انگیز طاقتوں کا احساس نہیں ہوتا۔ شعبان کی دوکان ندی کے دوسرے کنارے پر تھی اور زونو جب وہاں سودا سلف لینے جاتی تو اکثر اِدھر اُدھر کی باتوں میں ضرورت سے زیادہ وقت گزار دیا کرتی تھی۔ اس بے وجہ اختلاط کو نہ زونو سمجھی تھی اور نہ شعبان!

شامِ کشمیر کی نکھری ہوئی چاندنی، کشمیر کی، جہاں قرصِ ماہتاب بہ نسبت دوسرے مقام کے زیادہ بڑا معلوم ہوتا ہے، الہام آفرینی اور اثر آگینی کے انتہائی نقطے پر تھی۔ زونو لبِ آب ایک چٹان پر بیٹھی تھی اُس کے اندر جو طوفان جوش زن تھا اُس کے مقابلے میں جہلم کی طغیانی بھی کچھ نہ تھی۔ شدتِ تنہائی نے اُسے محبت کی خواہش پر مجبور کر دیا اور گاؤں میں کسی کے نہ ہونے نے اُس کے خیال کو شعبان کی طرف منتقل کر دیا۔ شعبان کا خیال آتے ہی اس کی جستجوئے مبہم اور تمنائے نامعلوم کی تشریح و تفسیر اُس کے ہر ہر سانس سے ہونے لگی، جس میں اُسی لمحے کے اندر گرانی پیدا ہو گئی تھی۔ اُس نے دوسرے کنارے پر جھونپڑی کی طرف دیکھا اور کچھ سوچ کر

زفیل بجائی۔ اور اس بے وجہ یقین پر کہ اسکی زفیل کی آواز پر شعبان اپنی جھونپڑی سے نکلنے ہی والا ہے، اس طرف پشت کرکے بیٹھ گئی؛ اس کی زفیل کا مفہوم تھا کہ "ایک نوجوان لڑکی تنہا و ناآشنائے خواب ہے اور سارا گاؤں خالی!"

حالات کا علم ہوتے ہوئے شعبان کے لئے زفیل کی معنویت اب کوئی معمہ نہ ہوسکتی تھی: اس نے سمجھا کہ کوئی نوجوان لڑکی اسے بلا رہی ہے اور وہ سوائے زونؔو کے اور کون ہوسکتی تھی؟

ہرچند اب سے قبل شعبان کبھی کوئی جرأت بھی نہ کرسکا تھا، کیونکہ اسے احساس ہی نہ تھا بایں ہمہ زونؔو کے محسوسات کو محرومِ بازگشت نہیں کہا جاسکتا: شعبان کے دل میں ایک کرید ضرور رہتی، مگر اس کا علم و احساس کہ یہ خلش اس کے قلب میں پہلے سے موجود تھی اسے اسی وقت ہوا۔ اس دعوتِ بے محابا کو نظرانداز کردینا شباب کی دنیا میں کفر تھا۔ شعبان کی روح نے لبیک کہا۔ مگر اس خیال سے کہ دوسرے کنارے پر اس کی کشتی کا موجود ہونا

تنک کی نظروں سے دیکھا جا سکتا ہے اور گاؤں کے لوگوں کی واپسی کا کوئی یقین نہیں۔ اُس نے ندی کو پیر کر بجلی کی تڑپ کی طرح عبور کیا۔ اب کیا تھا! چاندنی تھی اور تنہائی، اور خمکدۂ شباب کے دو روزہ وارِ میکش! اُنکے بوسے کیا تھے؟ شہد کی لطافت و انگبینی حلاوت! انکے الفاظ کیا تھے؟ بارانِ یخ کی ملاست!

گاؤں والے واپس آئے۔ ان جرعہ کشانِ شوق و شباب نے زونو کے باپ کے پاؤں کی آہٹ سنی تو شعبان معاً پانی کے اندر تھا۔ مگر زونو کے باپ نے دور سے پانی کی آواز سن ہی لی۔ اس لئے وہاں پہنچکر اُس نے پہلا سوال یہی کیا۔

"کچھ نہیں، وہ بڑی مچھلی ہوا لینے کے لئے اچھلی ہو گی جس کے ساتھ میں بڑی دیر سے کھیل رہی تھی۔" زونو نے اس حال میں جواب دیا کہ اس کا دل بیلے کی طرح لرزتی ہو رہا تھا۔

"مگر یہ تیرتی ہوئی کیا چیز ہے؟" بوڑھے کشمیری نے پھر سوال کیا۔

"کچھ نہیں وہی مچھلی ہو گی"۔ زونو نے جواب میں کہا۔
"اچھا میرا چھوٹا شکارا پانی میں ڈال دے میں اسے ابھی پکڑ کے لاتا ہوں۔"

باپ کے حکم کی تعمیل میں زونو اٹھی تو مگر اس نیت کے ساتھ کہ اپنے محبوب کی گرفتاری سے قبل خود اپنے تئیں اس کے پاس پہنچا دے۔ بوڑھے نے دیکھا کہ اس کی بیٹی کا پاؤں پھسلا اور وہ جھیلم کے اندر گر پڑی۔

شعبان نے پانی سے سر نہ نکالا کہ زونو کا باپ اُسے پہچان نہ لے۔ زونو نے پانی میں موسنہ چھپا لیا کہ باپ کی نظروں میں ذلیل نہ ہو!

جھیلم کے ایک بعید ہی حصے میں لوگوں نے ان دونوں کی بغلگیر لاشوں کو کنارے سے اٹھایا اور اُسی طرح دفن کر دیا!

۱۹۲۳ء

عروسِ نیل

رنگین طبع اُرِیان نے اپنے شباب کی ایک ایک خواہش کو حصولِ لذات کی چھری سے ذبح کر لیا، اُن لذتوں کی چھری سے جنھیں مصرِ قدیم کی گلیاں، اور قسطنطین اعظم کا پایۂ تخت ہی فراہم کر سکتا تھا، اور اس کی آرزو کے لئے کوئی ندرت باقی نہ رہ گئی، جب اُس کی جوانی تمناؤں کے ساتھ ہمنوا ہو کر خراب ہو لی تو اُسے یقین ہو گیا کہ دنیا کی ہر عورت کی ہستی پر سے پردۂ طلسم اُٹھ گیا ہے اور اب نہ تو وہ کسی عورت سے محبت کر سکتا ہے اور نہ کوئی عورت اُسے لبھا سکتی ہے۔ اس ردِ عمل کا صرف ایک ہی نتیجہ ہو سکتا تھا: یعنی اریان عزلت و سکون کی زندگی پر مائل نظر آئے۔ چنانچہ وہ قسطنطنیہ سے سیدھا مصر واپس آیا، اور اسکی اس اصلاحِ طبع سے اُس کے باپ مکاکس کو از حد طمانیت حاصل ہوئی جو اریان کی ذکاوت کو اسطرح ندیِ آوارگی ہوتے دیکھنے سے سخت غمگین رہتا تھا۔

ہر چند پالا اور اُریان کے خاندانوں میں سیاسی وجوہ

کی بنا پر سخت دشمنی تھی، لیکن ان دونوں خاندانوں کا خون ایک تھا؛ اور مکاکس کے لئے ناگزیر تھا، کہ پالا کو، جو رشتے میں اُس کی بھتیجی ہوتی تھی، اس کے یتیم و تنہا رہ جانے پر اپنی سرپرستی میں نہ لیلے۔ اریان نے گھر واپس پہونچ کر پالا کو اپنے مکان میں دیکھا تو کچھ کم متحیر نہ ہوا؛ اور اگرچہ اُسے قسطنطنیہ سے واپس آئے ہوئے، جہاں باسفورس کے کناروں پر اس کی بہت سی رنگین شامیں اور پُرکیف راتیں بسر ہوئی تھیں، زیادہ دن نہ گزرے تھے، لیکن گھر پہونچکر اُس کے تمام خیالات اور تمام عزائم باطل ثابت ہوئے۔ اور وہ بغیر جانے ہوئے اپنا دل، آخری بار، پالا کی نذر کر چکا تھا!

(۳)

شام کی اُداسیاں اہتمام قمر سے معمور تھیں، اور ملکۂ شب کا ماہتابی حُسن کیف فزائے روح بنا ہوا تھا؛ موسم کی خفیف گرمی خوشگوار اور پُر لذت تھی اور فضا پر ایک سکوت طاری تھا۔ چاندنی جو سمندر کی موجوں میں طغیان و سیل کا باعث ہوتی ہے، انسانی سینوں میں بھی اسی درجہ

طلاطم خیز ہوتی اور حیاتِ قلب میں مدوجزر پیدا کر دیتی ہے۔ نیل کی سطح پر مناکس کا زرنگار بجرہ رواں تھا، اور اریان اور پالا سیر دریا سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ حسین اور خوش اندام پالا اس مرصع کشتی کے مخملی فرش پر پڑی ہوئی ایسی معلوم ہوتی تھی، گویا کہکشاں کا کوئی تارا ابھی ٹوٹ کر گر پڑا ہے!

وہ ٹوٹتے ہوئے تارے کے عکسِ زریں کو آئینۂ نیل میں دیکھ کر اریان کی طرف مخاطب ہوئی اور گانے کی فرمائش کی۔ اریان اس طلبِ حسن کے جواب میں اپنی روح کے ہر تار کو مضطرب کرتا ہوا نظر آیا، اور اس صناعتِ موسیقی کے ساتھ لحن طراز ہوا گویا یونان کی بربط سرائی کا کوئی راز ایسا نہیں جو اس پر منکشف نہ ہو گیا تھا! تارے رہ رہ کر ٹوٹتے اور پالا بار بار انہیں دریا میں منعکس ہوتا دیکھتی اور جب اریان اسے دوسری جانب مخاطب دیکھ کر اپنے سروں کو مدہم یا خاموش کر دیتا تو وہ اس کی جانب پھر مخاطب ہو جاتی اور اسی گیت کے اعادے پر مجبور کرتی۔ حقیقت یہ ہے کہ اریان کا جمیل اور پرشباب چہرہ پالا کے پر شوق دل پر منقوش ہو چکا تھا، اریان کے یہ نغمے جوں جوں وقت گزر رہا تھا زیادہ بلیغ ہوتے

جارہے تھے، اور اس دوشیزہ کے دل میں زیادہ گھر کرتے جارہے تھے؛ یہاں تک کہ وہ تارو لزا کی ان طلسم تبدیلوں سے سحر زدہ ہو گئی۔ آریان نے اپنا بربط رکھدیا اور پالا سے مختلف استفسارا محبت کرنے لگا؛ پالا نے اس کے ہر سوال کا جواب ایک نیم تبسم، اور کبھی کبھی نیم نگاہی سے دیا۔

(۳)

برگ زار کے خوابناک سایوں میں سے گزرتے ہوئے آریان نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا، ہونٹوں سے چھوا؛ اور پالا کا جسم یکسر لرزش بن گیا۔ لیکن وہ اگر ایک طرف شوق کی کار فرمائیوں کا معمول بنی ہوئی تھی تو دوسری طرف اپنی حالتِ بیکسی کا بھی اسے شدید احساس تھا؛ اور زمانے کے نشیب فراز کا عفریت مجسم فرشتۂ موت بن کر سامنے آگیا تھا: ایک مفتخر سردار قوم کی متکبر بیٹی، زمانے کی تذلیل کے لئے دنیا میں چھوڑ دی گئی ہے! اور ایک رشتے دار کے مکان میں رہنے پر مجبور ہے! جب وہ اس مکان میں داخل ہوئی تو ہر قدم اور ہر بات پہ، ہر لمحہ اور ہر ساعت، اس کا یہ احساس زندہ اور قوی ہوتا تھا؛ لیکن دوروزسے،

جب سے اُریان واپس آیا ہر بات میں تغیر، ہر احساس میں فرق آگیا تھا۔ اُس کی مراجعت نے نہ صرف خاندان بلکہ شہر کے بڑے حصے میں جشن برپا کر دیا تھا۔ اُریان، پالا سے ملا! اس طرح نہیں جیسے کوئی کسی نکیں رشتے دار سے ملتا ہے، بلکہ اس طرح جیسے کوئی شریف زادہ کسی حسین خاتون والا دودمان سے ملتا ہے۔

اُریان کی موجودگی تابش آفتاب کا حکم رکھتی تھی جس پالا کا سرد دل لبریز حرارت ہوا جا رہا تھا! اور جیسے کوئی پھول دیر تک روشنی اور ہوا سے محروم رہنے کے بعد اچانک سورج کی روشنی میں لا کر رکھ دیا جائے، اسی طرح اُریان کی تابش، روح اور مسرتِ حیات پالا کے دل و دماغ کے لئے تازگی و شادابی کا مفہوم بن گئی تھی۔ وہ اس کے لئے تمام آداب و تکریم کو ہر لحظہ ملحوظ رکھتا تھا اور اُس کی اس ادا سے پالا کی پامال خودداری نئی زندگی سے معمور ہو جاتی تھی۔ اور اُس کا دل منت پذیری کے جذبات سے لبریز! یہ واقعہ ہے کہ پالا کو مرہونِ منت دیکھنا ایک نظارہ تھا روح فزا، ایک منظر تھا دلکشا!

یہ شام، یہ روح فزا و دلفروز شام اپنے اندر ایک مخصوص لذت رکھتی تھی، اور گویا پآلا ہی کے لئے وضع ہوئی تھی۔ اُریآن کی ہستی نے اُسے محسوس کرا دیا کہ وہ نوجوان تھی اور حسین! سحر کرنے کے لئے تھی اور سحرزدہ ہونے کے لئے بھی ——— اور شاید محبت کرنے اور محبت کئے جانے کے لئے بھی!

(۴)

جس وقت یہ دونوں سیر سے واپس ہوئے اور پآلا مرمریں ایوان میں داخل ہوئی، جہاں اریآن کی ماں، نیفورس، اُن کی واپسی کی منتظر تھی، تو اُس کا حاسہ ہنوز اریآں کے بوسے سے ملتہب و سرشار تھا۔ پآلا نے آداب و تکریم کے جذبے کے تحت میں اپنے ضعیف و مریض چچا کے ہاتھ کا بوسہ لیا۔ اُس کے دماغ میں ایک تابشِ برق کی طرح یہ حقیقت گزر گئی کہ وہ اریان کا باپ ہے۔ جس اُریآن کو وہ "اُریآن" نہیں کہہ سکتی! اس کے بعد اُس نے اپنی چچی کا بوسہ لیا۔ نیفورس نے خاموشی لیکن گونہ حیرت کے ساتھ اُس کے بوسے کو قبول کیا اور پآلا کو

اریان کی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

وقت زیادہ گزر چکا تھا، پالا اور اریان اپنی اپنی خوابگاہ میں چلے گئے۔ اور پھر نیفورس بھی اپنے مریض شوہر کے آرام کا اہتمام کر کے اریان کی خوابگاہ میں داخل ہوئی۔ اریان کی تمام تر قوتِ تخیل ایک مسرت میں صرف ہو رہی تھی۔ مگر نیفورس کے اس طرح آ جانے سے حیرت و تعجب نے اس کے نصف دل و دماغ پر قبضہ کر لیا۔

اریان کی ماں نے ایک ہی نظر میں ان دونوں پُر شباب ہستیوں کے دلوں کا تلاطم دیکھ لیا تھا۔ اور اسوقت وہ اریان کے پاس اس لئے آئی تھی کہ اس نوزائیدہ محبت کا گہوارے ہی میں گلا دبا دے۔ اگرچہ اریان کا باپ پالا کے متعلق اچھے خیالات رکھتا تھا، مگر نیفورس نے اریان سے یہی کہا کہ منکاکس بھی اس آرزو و تمنا میں، جس نے خود نیفورس کا خواب و خور حرام رکھا ہے، برابر کا شریک ہے۔ چونکہ ایک روز قبل ہی اریان سے یہی گفتگو ہو چکی تھی، اس لئے وہ فوراً سمجھ گیا کہ اس کے والدین کے لئے وجہ تفکر اس کی شادی کا مسئلہ ہے۔ نیفورس نے

اریان کو باور کرا دیا کہ اس کے باپ کی برہمی دور ہو چکی ہے۔ اور یہ کہ اس کے لئے دُلہن بھی تجویز کر لی گئی ہے۔

"سوسینا آجکل یہیں ہے۔" وہ کہنے لگی "لیکن مجھے رنج ہوا کہ آج صبح تو نے اُسے دانستہ نظرانداز کیا؛ تو بڑا ہی بیوقوف ہے۔"

"مجھے اس کا افسوس ہے۔" اریان نے جواب دیا "مگر عورتوں کے ساتھ اس قسم کا طرزِ عمل کچھ میری عادت سی ہو گئی ہے، پیاری ماں مجھے اس کا کافی احساس ہے۔"

"ہاں، ہاں یہ تیری سعادت مندی ہے کہ تو اب سنجیدہ و شریفانہ زندگی شروع کرنے پر آمادہ ہے۔" نیفوس نے قطع کلام کر کے کہا "اور میں اس وقت مخصوص اسی لئے تیرے پاس آئی ہوں۔ میں نے دُلہن کا مسئلہ بالکل طے کر لیا ہے، اور کل سوسینا کے ساتھ اس معاملے میں قطعی گفتگو کروں گی۔ وہ تجھ سے محبت کرتی ہے اور تجھے بھی اس کا علم ہے کہ اس وقت تمام مملکت مصر میں اُس سے زیادہ دانشمند لڑکی نہیں مل سکتی! تعلیم و تربیت کے لحاظ سے بے مثل ہے اور اپنا ننھا سا دل تجھے دے چکی ہے!"

"بہتر ہے کہ وہ اپنا دل اپنے پاس ہی رکھے!" اریان نے کہا۔

"دیوتاؤں کا واسطہ، اریان!" اُس کی ماں نے پریشانی اور خفگی کی حالت میں کہا، "ہنسی کو کسی مناسب موقع کے لئے اُٹھا رکھو۔ میں اس وقت نہایت سنجیدگی سے گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔ سوسینا نہایت پیاری لڑکی ہے! تو کہیں اپنا دل قسطنطنیہ میں تو کسی کے پاس نہیں چھوڑ آیا ہے؟ جسٹنین کی بیٹی کو تو نہیں دے بیٹھا تھا؟"

"پیاری ماں، بدگمان نہ ہو" اریان نے نہایت ملائم لہجے میں جواب دیا۔ "قسطنطنیہ مجھ سے بہت دور ہے۔ میں نے اپنے ہی گھر میں ایسی حسین دوشیزہ پالی ہے جس کی مثال کو باسفورس کے کنارے منعکس کرنے سے محروم ہیں۔ جسٹنین کی بیٹی ہماری نسل کا پیوند نہیں ہو سکتی۔

"مجھے بیوی کی جگہ کھلونے کی ضرورت نہیں، بلکہ ایک عورت درکار ہے۔ میرا دل دولت و امارت پر کبھی نہیں ریجھ سکتا؛ بلکہ ایک ایسی لڑکی کو پسند کرے گا جو نتاہا نہ حسن کی مالک ہو۔ پالا ایک شریف باپ کی

شریف بیٹی ہے اور میں اپنی خوشحالی کے لئے اس سے بہتر انتخاب نہیں کرسکتا۔ یہ خیال میرے دل میں اسی وقت پیدا ہوا ہے اور اس طرح جیسے کہ الہام ہوتا ہے۔ اب میری آرزو ہے کہ آپ اپنی دعاؤں سے میرے اس انتخاب کو متبرک بنائیں۔"

"بس، بس! تیرے دل سے خاندانی وقار و غیرت محو ہوگئی ہے۔" اُسکی ماں نے سخت غصّے کی حالت میں کہا۔

"جس خاندان کے ہاتھوں میرے دو بھائی قتل ہوئے تو اُسی خاندان میں بیوی تلاش کرے! تیرا باپ اس رشتے پر بے اولاد رہنے کو ترجیح دے گا۔ تو اگر ایک ایسی لڑکی سے محبت کرنے لگا ہے جس کے پاس سوائے بے بنیاد فخر و غرور کے اور کچھ نہیں تو یاد رکھ تیرے والدین اپنے اس بیٹے سے بھی محروم ہو جانا پسند کریں گے جو دیوتاؤں کی عنایت سے باقی رہ گیا ہے۔

"میرے پیارے بچے کیا تجھے اتنا بھی خیال نہیں کہ اب تک تو اپنی مرضی کا مالک رہا ہے اور ہم نے سب کچھ گوارا کیا، مگر کیا تو اپنے باپ کی زندگی کے ان چند باقی دنوں کو بھی تلخ بنانا چاہتا ہے اور پھر ایسے لڑکی کے

لئے جس کو تو نے ابھی دیکھا ہے؟ اگر تو نے اپنا خیال تبدیل نہیں کیا تو میں تیری محبت اپنے دل سے نکال پھینکونگی؛ خواہ اس میں میرا دل پارہ پارہ ہی کیوں نہ ہو جائے۔"

"میرے پاس میرا دل نہیں ہے" اریان نے اپنی ماں کا ہاتھ پکڑ کر کہا "میں اُسے بمشکل تلاش کر سکتا ہوں۔ اچھی ماں، تمھارے بیٹے کی جرأتیں کبھی خوفزدہ نہیں ہوئیں، لیکن اس وقت تمھارا غصہ اُسے بزدل بنائے دے رہا ہے۔ تمھارا نام الفت و شفقت کا حامل ہے، تم ایسی بے رحم کبھی نہیں ہو سکتیں!"

لیکن جب ماں بیٹے جدا ہوئے تو اُریان کی اس رضامندی کے ساتھ کہ اُس کی ماں اُس کے لئے اپنی مرضی کی بیوی انتخاب کرکے شادی کا پیغام بھیجدے؛ البتہ یہ پیغام تیسرے دن بھیجا جانے والا تھا اور اُریان کو یہ دو دن کی فرصت بڑا غنیمت معلوم ہوئی۔ مگر جب وہ کمرے میں تنہا رہ گیا تو اُس کو اپنے اس اظہارِ آمادگی کا پورا پورا احساس ہوا، اور اس کا دل ضعف سے بیٹھتا معلوم ہوا۔ اُس کے خیال کی دنیا یکسر صاف اور سادہ ہوگئی تھی، وہ کچھ سوچ نہ سکتا تھا۔

اسی تلاش و جستجو میں وہ صرف اس خیال سے اپنی اس حرکت کو جائز سمجھ سکا کہ اُس نے اس وقت تک پاؔلا سے کوئی وعدہ و اقرار نہ کیا تھا ؛ اگرچہ آنکھیں بہت کچھ کہہ چکی تھیں مگر اُس کی زبان سے محبت کا لفظ نہ نکلا تھا : حالانکہ حقیقت یہ نہ تھی۔

پاؔلا جس کے وجود میں محبوبیت کی تمام آدائیں، رعنائی کی تمام عفتیں زندہ و ذی حیات نظر آرہی تھیں، اگر اُریاؔں کی بیوی نہ بھی بن سکتی تو خاندانی رشتے کے لحاظ سے اُریاؔن کو اُس کے ہاتھوں کو بوسہ دینے کا موقعہ ہمیشہ حاصل تھا۔ وہ اُریاؔن کا عنفوانِ شباب تھا جب وہ ایک ایراؔنی کنیز کے پیچھے تباہ ہوتا رہا۔ قسطنطنیہ میں میلوؔ ڈورا کی وجہ سے ذلیل و خوار پھرتا رہا۔ اُس نے کسی ایک کی بھی نہ سُنی اور وہی کیا جو اُس کے پُرشباب دل کا تقاضا تھا۔ لیکن نہ تو اُسے وہ محبت کسی کے ساتھ ہوئی جو پاؔلا کے ساتھ تھی اور نہ اُس تعلق کا خیال کسی کے ساتھ پیدا ہوا تھا۔

شادی کے مسئلے میں وہ بوجوہ مجبور تھا کہ اگر خود ذلیل بھی ہوتی تب بھی وہ اپنے والدین کو برہم نہ

کر سکتا۔ تاہم پاؔلا سے دست بردار ہو جانا بھی اُس کے لئے دشوار تھا۔ چنانچہ باوجود ماں سے وعدہ کر لینے کے اس نے عزم کر لیا کہ جس طرح ہو پاؔلا کے ساتھ خفیہ شادی کر لے اور نتائج کا انتظار کرے۔ وہ سمجھتا تھا کہ ایسی لطیف و جمیل بیوی کی صحبت میں اُسکی زندگی ہوگی۔ وہ اس خیال سے پھولا نہ سماتا تھا کہ جب وہ اُسے لے کر قسطنطنیہ جائے گا تو وہاں کی دنیا حرکت سے عاری ہو جائے گی، اور سب کی آنکھیں پاؔلا کی حسنِ گلو سوز پر لگی ہوں گی!

اُریاؔن کی ماں پہلے پاؔلا کے پاس گئی تا کہ صورتِ حال کو قطعی طور پر ہر پہلو سے مستحکم بنا لے۔ چنانچہ اُس نے پاؔلا پر ظاہر کر دیا کہ اریاؔن نے اپنی شادی کے متعلق رضامندی کا اظہار کر دیا ہے، اور اُریاؔن کی گذشتہ زندگی کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اُس کے والد کا موجودہ سلوک صرف اسی بنا پر قائم رہ سکتا ہے کہ پاؔلا اریاؔن کی شادی کے معاملے میں اُس کی امداد کرے، ورنہ اس دفعہ اگر اریاؔن نے اپنے باپ کو ناراض کیا، تو اریاؔن کی آئندہ زندگی کا خیال بھی لرزہ بر اندام کر دینے والا ہے۔ پاؔلا نے

نیفوترس کے مسرت ناک چہرے سے حقیقت معلوم کر لی تھی، تاہم وہ اپنے تئیں سنبھالے رہی۔ اور منسوب شدہ نوشہ، عروس کو کامرانی و خوش بختی کی دعائیں دیں، لیکن ایک ایسے تبسم کے ساتھ جو ہر بار نیفوترس کے دل میں کانٹے کی طرح چبھا؛ اور وہ پالا کے پاس سے چلی گئی۔

پالا نے محسوس کر لیا کہ اُس کے لئے ذلت و کس مپرسی سے زیادہ موزوں کوئی شے نہیں ہے؛ اس لئے یہ خبر سننے پر اُس نے غصہ و ملال کا کوئی اثر اپنے چہرے پر ظاہر نہ ہونے دیا تھا۔ لیکن جب نیفوترس جا چکی تو ایک دبی ہوئی چیخ اُس کے مونہہ سے نکل گئی۔ مگر فوراً خود ہی اس کمزوری پر نادم ہو کر آنسو پونچھ ڈالے اور آخر ایک گہری اور ٹھنڈی سی سانس لے کر پلنگ پر پڑ رہی۔ کون کہہ سکتا ہے کہ وہ واقعی سو رہی تھی!

پالا صبح سب سے پہلے بیدار ہوئی، اور بہترین لباس و زیور سے اپنے تئیں آراستہ کیا۔ اس وقت معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اس درجہ خوش ہے اور اس حد تک مسرور ہے، گویا اُس نے دنیا میں فکر و الم کا نام ہی نہیں سنا۔

اُس کے عذارِ رنگیں، دو شبنم خوردہ گلاب تھے، جن کی تازگی و شادابی آئینے میں نہ سما سکتی تھی۔ غرض پاؔلا اور اس دوشیزہ میں جو تمام آرائشوں سے سنواری جا کر رودِ نیل کے نذر کر دی جاتی تھی، یہ فرق تھا کہ یہ مسرور و شاداں تھی اور وہ مغموم و متالم ہوتی تھی۔ بغیر کسی سے ملے ہوئے نوکر کو بجرہ درست کرنے کا حکم دیا اور ابھی آفتاب نے آنکھ نہیں کھولی تھی کہ پاؔلا کی کشتی نیل کی سطح پہ تیر رہی تھی اور ٹھیک اُس وقت جب آفتاب نے پہلی بار آنکھ کھولی، پاؔلا نے کشتی میں سے جست کی اور نیل کی آغوش میں پہونچ گئی!

(مختار) ۱۹۲۳ء

نظریۂ محبت کا انجام

جمالی ان لوگوں میں سے تھا جو رومانیت اور تخیل مجرد کو ایک ہی چیز سمجھتے ہیں، ایسے لوگ جو ایک وجودِ خیالی سے متعلق ہو کر سرتاپا شوق و ولولہ ہو جاتے ہیں، لیکن جب مادی و مرئی اشیا سے بحث ہو تو اُن کے جذبات برانگیختہ نہیں ہوتے۔ غرض، اس کی طبیعت کا ارتقا کسی قدر تند و شدید ہوا تھا اور اسی کا نتیجہ تھا کہ اس پر غلط فہمیوں کا ایک کثیف ابر چھایا رہتا تھا: وہ اپنے زعم باطل پر، ایک اعتبار و گمان پر جو سخت ہالک تھا، غلط فہمی کے غلیظ مطلعے میں زندگی کی بلندیوں پر حسبت کرتا رہتا تھا۔ اسے اپنے اوہام کی وجہ سے جن کو اس نے "نظریات" کا پُر رعب نام دے رکھا تھا، اس بات کو سوچنے کا موقع ہی نہ ملتا تھا کہ وہ اپنی بلند پروازیوں میں کن کن گہرائیوں کے اندر گزر رہا ہے۔

عورت کی ہستی اس کے لئے بشمار دلچسپیوں کا مرکز تھی، لیکن یہ دلچسپیاں ولولہ انگیز نہ ہوتی تھیں۔ ہر عورت جس سے

وہ لمتا، اسکی محبت میں مبتلا ہو جاتی تھی۔ مگر جس آسانی کیسا تھ وہ اس پر فریفتہ ہوتی اسی نسبت سے وہ جمالی کے اباؤ گریز کا سبب بھی بن جاتی تھی۔ اس کا عقیدہ تھا کہ عورت وہ طلسمی پھول ہے جو ایک لمس شوق سے نہ صرف اپنی دلفریبی و نزہت گم کر دیتا ہے بلکہ اپنے حقیقی وجود سے بھی عاری ہو جاتا ہے۔ تاہم اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اشیائے عالم میں، عورت ہی وہ چیز تھی جسمیں جمالی کی توجہ اور دلچسپی جذب کر لینے کی استعداد تھی۔ لیکن اس پر بھی وہ کبھی کسی شے کے لئے بیقرار و بیچین نہیں ہوا۔

جب اور جہاں کہیں جمالی کو دلچسپی پیدا ہو جاتی تو اسکی گفتگو کی شیرینی و لطافت کی کوئی حد نہ رہ جاتی تھی۔ کیونکہ جو شے اس کے احساس حسن کو بیدار کر سکتی تھی اس کے متعلق اس کا حسن تکلم ایک طبعی چیز تھی۔ اس کے انداز کلام میں ایک مخصوص اعتماد مرکوز نظر آتا: گویا وہ اپنے منتخب کو خوب سمجھتا ہے! اور عورت کے ساتھ اس کے تعلقات کا راز اس خوب سمجھنے ہی میں مرکوز تھا۔ عورتیں اس پر فریفتہ ہو جاتی تھیں، کیونکہ وہ جمالی کو سمجھ نہ سکتی تھیں؛ جمالی ان سے محبت نہ کر سکتا تھا

کیونکہ وہ اُسے اچھی طرح سمجھتا تھا - لیکن اس پر بھی اُسے اپنے اندر جذبۂ محبت کے موجود ہونے کا یقین تھا، مگر اُس کا یہ یقینِ محبت اُسے دھوکا نہ دے سکتا تھا، کم از کم اُس کا نقطۂ نظر یہ ضرور تھا۔ اس کا نظریہ "تصورِ محبت" اگر دنیا کے لئے کچھ بھی قابل قبول ہو سکتا تو اُسے بالکل تسلیم کر لینے کے لئے بھی تاویل و توجیہ پیدا کی جا سکتی تھی؛ لیکن صورتِ واقعہ یہ نہ تھی؛ کیونکہ اُس کے خیال میں محبت کا مفہوم ایک خواہشِ غیر معروف، کارسازیِ ابدیت اور قابلِ پرستش انکشاف کی کبھی طلوع نہ ہونے والی نمودِ صبح سے ذرا بھی کم و بیش نہ تھا۔ چنانچہ ایسا کبھی ہوتا، اور نہ ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی کہ اُسے کسی جانب محبت کا خیال ہو جاتا تو پھر وہ ناآشنائے تکلم، بیگانۂ نطق نظر آتا؛ اور سکوت کی صبح روشنی میں اُس تخیلِ محبت کی گہوارہ جنبانی کیا کرتا۔ اسکی طویل خموشیاں، موضوعِ محبت کے سامنے اعترافِ عجز کا مفہوم ہو کر رہ جاتیں اور وہ اس طرح اظہارِ محبت کرتا رہتا۔

اُس کا قول تھا کہ یہ خیال کر لینا سخت حماقت ہے کہ جو شخص محبت سے بے حجاب و بے محابا ہمکنار ہوتا ہے، ہلاک ہو جاتا ہے یا ہلاکت کے قریب پہونچ جاتا ہے؛ حالانکہ حقیقت یہ ہے

کہ محبت خود مر جاتی ہے۔ اور جس شخص کو قتیلِ محبت باور کر لیا جاتا ہے وہ اپنے حواس کی غیر معتدل حالت اور ناقابلِ برداشت اثرات کا شکار ہوتا ہے۔ دنیا نہیں سمجھتی کہ جس طرح ایک پھول کسی عالمِ نباتات کے ہاتھ میں پہونچ کر فنا ہو جاتا ہے اُسی طرح یہ شخص بھی جذبات اور حسیات کی تحلیل اور تجزیئے کے ہاتھوں فنا ہوا ہے۔ لوگ سائکی کے واقعے کو کیوں فراموش کر دیتے ہیں؟ اور کیوں اس حقیقت کو اپنے ذہن سے محو کر دیتے ہیں کہ محبت کا حقیقی موضوع وہی شئے ہو سکتی ہے، جو (وسیع معنی میں) دیکھی نہ جاسکے، یا جو ہمارے حواس کے ادراک سے باہر ہو؟ محبت تو ایک تتلی کی طرح ہے، اور تتلی بھی کسی عجیب و غریب دنیا کی! محبت کی تلاش اس عالمِ خاکی کی مادی روشنیوں میں فضول ہے! اُس کا مسکن تو قوس قزح کی وہ فریب نظر رنگینی ہے جو ہمیں نظر آتی اور غائب ہو جاتی ہے! اُس کا نشیمن تو شہابِ ثاقب کی اُس نوری صباحت میں ہے جو نگاہوں کو مسحور کرتی اور معدوم ہو جاتی ہے! اس کی تشبیہ تو اُس گلاب کی حالت سے دی جاسکتی ہے جو صرف عالمِ رویا کے گلستان زار دل میں شگفتہ ہو کر اُنھیں گلابی کر دیتا ہے! یا پھر وہ گل ہائے تخیل

کی منتشر پنکھڑیوں میں مشغول بازی دیکھی جاسکتی ہے، غبار رنگ میں مستور و مرتعش نظر آسکتی ہے، تبسم کے وقت ہونٹوں پر لرزاں پائی جاسکتی ہے! لیکن اُس کے چھو لینے کا تو خیال بھی مہلک ہے: وہ تتلی جسے پکڑ لیا جائے، اس کی حقیقت ہی کیا رہ جاتی ہے؟ ایک غبار رنگیں! جس کا لمس ایک وہم ہے لیکن اُس کے وجود کا بطلان بھی نہیں کیا جاسکتا!...... یعنی قابو و تصرف فنائے محبت ہے!

وہ سمجھتا تھا کہ تصویرِ محبت کی نیلگوں ردائے شبنمی، نسائی انانیت کی دسترس سے باہر اور بلند و ارفع ہے، اور یہی باعث تھا کہ بعض اوقات اس گہری دلچسپی کو، جو اُسے جنسِ لطیف و نازک کے ساتھ تھی، نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھنے لگتا تھا۔

جمالی پر ایک ایسی ہی شدید بیزاری کی کیفیت طاری تھی، جب وہ ایک عورت سے ملا جو کسی طرح اُس کے فہم و ادراک میں نہ آسکتی تھی۔ یہ ایک نازک عورت تھی، ایسی نازک جیسے پیچ پارے اپنے عدم و وجود کے متعلق کسی یقین تک پہونچنے نہیں دیتے اس کی آنکھیں انعکاس سیمیں اور انوار تاریک سے لبریز تھیں۔

اس کی آواز ایک صدائے آبشار کے ترنم سے مشابہ تھی جس میں وسعت گرداب کے پرورش گاہِ امواج بن جانیکے راز مستور تھے۔

ایک فلسفی کا دل بھی اپنے نظریوں سے اتنا ہی متاثر ہوتا ہے جتنا اُس کا دماغ : اس لئے جماکی بھی اپنی افتادِ طبع کے اعتماد پر اُس سے محبت کرنے لگا۔ لیکن جس چیز نے اُسے متحیر کردیا وہ یہ تھی کہ وہ نازنین بھی، اُسی کی طرح، ایک ہیولائے خیالی کی پرستار تھی؛ اور اُس کے اس عشق کا پرداز وطریق وہی تھا، جس کے متعلق جماکی نے یقین کر لیا تھا کہ اس قسم کی محبت عورت کے دل میں پیدا ہو ہی نہیں سکتی! وہ نازنین بھی اس سے محبت کرنے لگی، لیکن محبت کے اس نئے مشغلے نے اُس کی پہلی حالت میں کوئی تغیر پیدا نہیں کیا۔

اس خاتون کی شخصیت کچھ اُن تصاویر کی سی حیثیت رکھتی تھی، جو آثارِ انحطاط کی نہایت قریب دہ کیفیات میں ملفوف نظر آتی ہیں۔ ایک وقت اگر وہ پرگھائے نورس کی خزاں رسیدگی کا پتہ اسرار مرکز معلوم ہوتی تھی تو دوسرے لمحے میں عجز و تسلیم کی سحر کار دلکشی کا مرقع نظر آتی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ اُس کے نفسیات ایک قسم کی عریانی ہیں؛ لیکن

یہ عریانی غیر شعوری نہ تھی بلکہ انانیت و خودداری کے ساتھ تھی! اس میں فقدانِ ضمیر بیشک تھا مگر ملحدانہ نہ تھا، وہ قدیم و جدید تمدن کی آمیزش کا ایک طرفہ مظہر تھی! اس کا وجود اس کلیئے کی بیّن دلیل تھا کہ ایک ذی اثر اور غیر معمولی حیثیت قائم کرنے کے لئے اپنے عہد سے جدا ہو کر عہدِ ماضی یا زمانِ مستقبل کا صحیح نمونہ بن جانے کی اشد ضرورت ہے!

بہر حال یہ دونوں عجیب و غریب شخصیتیں عشرت و خرمی کے طلائی بادلوں کے اندر پرواز کر رہی تھیں۔

صبح صادق کی لطیف روشنی میں برف پہ گہرے سُرخ رنگ کی شراب گر جانے سے جو رنگ پیدا ہو سکتا ہے وہ رنگ اُفق پر چھایا ہوا تھا! نورس پودے نمودِ صبح کے نورانی قدموں سے لپٹے ہوئے تھے! اور کائنات پر وہ عالم طاری تھا جب ہر شے اپنی حقیقت کے احساس سے قریب ترین ہو جاتی ہے! اُس وقت اُس خاتون کے دل میں ایک احساس پیدا ہوا: اُس نے محسوس کیا کہ وہ اپنی کجروی پہ کامیاب حکمرانی کر رہی تھی! اور وہ ارادی غلطی اور باقاعدہ بے قاعدگی کو خوبصورت و قابلِ قبول بنا رہی تھی!

وہ ایک حزنیہ میں غرق معلوم ہوتی تھی، اُس کا ہر غم انحطاط پزیر خوشیوں کا غم تھا۔

وہ دلکشی و دلچسپی جو جمالی کے لئے ایک عورت کے مطالعے میں پنہاں ہوا کرتی تھی، اُس خاتون کے اندر بدرجہ کمال موجود تھی۔ جمالی چاہتا تھا کہ اُس کے خیالات و محسوسات کی توضیح کرکے اپنی صحتِ خیال پہ فخر کرے: وہ ایک ساعت کے لئے اُس کے مطالعے میں محو ہو گیا، اور اُس کے ذکی الحس دماغ نے اپنے اس معمول کے پیچیدہ نفسیات کو معلوم کر لیا! یہ ساعت مطالعہ ایک پوری زندگی کی ساعت تھی!

چند روز کے وقفے میں جمالی اپنے تئیں اُس کی عجیب و غریب کج نگاہیوں میں گم کر چکا تھا، اُس کے حسین اور طرحدار وجود کی تصویرِ رنگیں نے جمالی کے مطلعِ حیات کو دھندلا بنا دیا تھا۔ چند ہفتے کے عرصے میں جمالی کی عظمت و خود داری کے گلے میں ایک عورت کے خندۂ بے پروا کے پھندے پڑ چکے تھے، اور اس کی تمام مسرتیں اس کے قدموں میں پامال ہو رہی تھیں؛ باوجودیکہ وہ عورت کے سمجھ

لینے پر متفقین تھا، اُس کی خوشیاں دم توڑ رہی تھیں۔
اب جمالی اپنی زندگی کے شکستہ غرفے میں سے مستقبل کے میدان کا نظارہ کر رہا تھا؛ اور وہ اس عورت کے ساتھ جو اس کے فلسفے اور اس طرح اس کی مسرت کی تباہی کا باعث ہوئی، شاہراہ زندگی کے اُس دوراہے پر تھا جہاں سے ان کے راستے علیحدہ ہوتے تھے؛ وہ ایک شدید اضمحلال دماندگی کا آماجگاہ بنا ہوا تھا:-
"تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے!" جمالی نے اس انداز سے کہا گویا وہ تمام عالم کی بناؤں کو از سرنو درستی کے ساتھ قائم کرنا چاہتا تھا!
"ہے، مگر اُسی قدر جتنی تمہیں میرے ساتھ ہے۔" اُس نے ہنس کر جواب دیا۔
اس کے بعد ہی ایک قسم کی آسودگی اُن دونوں پر طاری ہوگئی، جمالی کے افسردہ جذبات نے پھر ایک دفعہ اس کے اندر انگڑائی لی اور مضطرب ہوگئے۔
"تم نے مجھے اپنا گرویدہ صرف اس لئے کیا کہ ——
——" جمالی نے فقرہ پورا نہ کیا تھا کہ اُس کے مخاطب

کے جھکے ہوئے پپوٹے سرعت کے ساتھ حرکت کرنے لگے! وہ متبسم ہوئی اور کہا :-

"تمہارا نظریہ صحیح ثابت ہو جائے!"

"ہاں، تم طنز کر سکتی ہو!" جمالی نے نہایت متاسفانہ لہجے میں جواب دیا۔

۱۹۲۳ء

مداوائے حرماں

(۱)

فیروزہ دروازے سے لگی ہوئی کھڑی تھی اور بمشکل سانس لیتی معلوم ہوتی تھی: اُسے کسی کا انتظار تھا اور سخت۔ وہ اگر دوسری جانب دیکھتی بھی تھی تو صرف آہٹ پاکر کہ کہیں کوئی آ تو نہیں گیا۔ اس وقت فیروزہ کا اضطراب نزع کی تکلیف سے کم نہ تھا، اس تکلیف کو راحت سے بدل دینے والا ایک نوجوان تھا جسے دیکھکر وہ ایک نئی زندگی سے معمور ہو گئی۔

خورشید اپنے مخصوص اندازِ بے پروایانہ کے ساتھ فیروزہ کی طرف آرہا تھا، اُس کے مردانہ حسن و شباب میں اُس کے سنجیدہ و مستقل تبسّم نے ایک خاص دلچسپی پیدا کر دی تھی "جو اُسے دیکھ کر متاثر ہو جانے کے سوا" اور کسی طرح بیان نہیں ہو سکتی۔ وہ ان تمام صفات کا مجموعہ تھا جو اس عہدِ جدید میں ایک قبول شخصیت کیلئے ضروری سمجھی جاتی ہیں۔

فیروزہ کے حواس پر آنِ واحد کے لئے، بجلی سی گری اور دوسرے لمحے میں اُسکی طولانی قامتی ایک لرزش میں منتقل ہو گئی: آغوش

خود بخود وا ہو گئی اور فیروزہ جذبات کے ہیجان اور شوق کے طغیان سے سراپا اضطراب نظر آنے لگی۔ خورشید نے کمالِ متانت اُس کو اپنی آغوش میں لے لیا؛ اور اُس کی تپش و بے قراری دیکھ کر ہنسا۔ غرض، فیروزہ کی حسین گردن خورشید کے شانے پر ڈھل گئی، اور وہ ایک زخمی ہرنی کیطرح اُسکی گود میں سانسیں لے رہی تھی۔

"خورشید، تم آ گئے، میں نے بہت چاہا کہ تمہیں یاد کروں! آہ، کاش میں مر سکتی!" اس نے ان جملوں کی ابتدا سخت ہیجانی لہجے میں کی لیکن آخری الفاظ بہت کمزور آواز میں ادا ہوئے جو بمشکل سنے جا سکتے تھے۔

خورشید جی جا اُس جی ایک ہی وقت میں شاعر بھی تھا اور نقاش بھی: وہ اپنی فسانہ نگاری میں رنگوں کا حسن ظاہر کر سکتا تھا اور اس کے خطوط سے نطق و وجدان پیدا ہوتا تھا! اُس کے نقوش کے تاثر کو نظم کر سکنا اُسی طرح دشوار تھا جس طرح اُس کے لطافت و تخیلِ شعری کو نقش کر سکنا! اُس کی باتیں نہایت حسین اور دلچسپ ہوتی تھیں، اُس کے لہجے میں ترنم تھا، مسرت تھی! علمِ مجلس اور آدابِ صحبت میں کوئی اس کا نظیر نہ تھا؛ ہر صحبت میں ہر بات کو پوری توجہ سے سننا اور موقعے پر موقعے کی بات کہنا اس کی خصوصیت تھی۔

جب وہ اُس کے قریب پہونچا تو فیروزہ کو خورشید کی طرف دیکھنے کی جرأت نہ ہوئی تھی۔ اُس کی جھکی ہوئی نگاہیں ایک ایسا افسانہ کہہ رہی تھیں، جو کبھی بیان نہیں ہوسکا ہے گردش خون کی سرعت سے چہرہ تمتما اُٹھا تھا اور اُس کے لبوں پر ایک ارتعاش نمودار ہو گیا تھا۔

"خورشید، تمہیں میری کیفیاتِ قلب کا کچھ پاس نہیں! تمہیں کیا معلوم کہ تمہارا اپنی صورت نہ دکھانا میرے دل کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے۔" فیروزہ نے یہ فقرے ایسے لہجے میں کہے کہ اگر خورشید اُس کے جذبات کی ذرا بھی پذیرائی کرتا تو یقیناً اس کی پُرنم آنکھیں اُس وقت دریا بہا دیتیں، لیکن خورشید کی ظالم مہربانیوں میں کوئی جنبش پیدا نہ ہوئی، اور فیروزہ کی آنکھوں کا نم بھی خشک ہو کر رہ گیا۔

"علوی محبت کا فسانہ آج تک کبھی مسرت پر ختم نہیں ہوا۔ اس جذبۂ عالی کا انجام دردوغم کے سوا کچھ نہیں ہوتا اور دونوں میں سے ایک یا دونوں کے ساتھ نہایت بے رحمانہ سلوک کرتا ہے۔" خورشید نے اس سے ایک مرتبہ کہا تھا۔

(۲)

تقریباً ایک سال کا عرصہ ہوا جب خورشید پہلی مرتبہ اندھیری

اس لئے آیا تھا کہ مضافات بمبئی کے اُس حسین ساحل کا نقش طیار کرے اور وہاں کم و بیش ایک ہفتہ قیام کیا تھا۔ کاؤس جی ہرمزجی ایک نہایت ضعیف پینشن یافتہ آدمی تھا۔ اس کی بیوی کے انتقال کو زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھا، جس نے اُسے ضعیف تر کر دیا تھا، اور فیروزہ جو اُس کی تنہا لڑکی تھی، اُس کا سہارا تھی۔ شام کے وقت باپ اور بیٹی ساحل کی سکون خیزیوں کی سیر کو نکلتے تھے، خورشید مصروفِ قلمکاری تھا، اور سمندر کی ہوائیں اُس کے لانبے بالوں کے ساتھ شوخیاں کر رہی تھیں۔ فیروزہ کی لبریز شوق آنکھوں نے زلف برہم کے اس منظر اور شباب کے اس نقش ذی حیات کو دیکھا اور اُس کی نقاشی دیکھنے کے بہانے سے خورشید کے قریب جا کر کھڑی ہو گئی۔ خورشید کی طبعی فصاحت اور شیوا بیانی نے اس کو اس مختصر خاندان کا مہمان بنا دیا اور اُس نے اوّل ہی روز محسوس کر لیا، کہ اُس کی ہستی فیروزہ کے دریائے محسوسات کا عکس انداز ماہتاب ہے۔

جس صبح کو وہ رخصت ہو رہا تھا، اُس رات خورشید نے فیروزہ کے جبین و رخسار کو اپنے لبوں کے لمس سے ملتہب کیا، اُس کے سنبل طراز گیسوؤں کو پیار کیا، اور صبح ہوتے رخصت ہو گیا۔ فیروزہ نے اولین احساسِ فراق میں اپنے دل

کو کسی چیز سے خالی پایا۔ اس نے محسوس کیا اُس کے دل کے اندر سے سب کچھ جاتا رہا ہے اور یہ خلا بے پایاں ہے۔ اب اُسے یقین آیا کہ خورشید اُسے اپنی محبت میں مبتلا کر گیا ہے۔ فیروزہ کا تعلق خاطر از حد عمیق تھا، ایک خلوص معصوم تھا، اور اُس کا ہر رگ و ریشہ خورشید کے لئے بے قرار تھا۔

فیروزہ یہ فیصلہ نہ کر سکتی تھی کہ وہ خورشید کے دل میں اپنی بیقراری قلب کی صدائے بازگشت سن سکے گی کہ نہیں۔ اُس نے ایک نامۂ محبت لکھا اور صرف یہ لکھا کہ "مجھے تم سے محبت ہے اور میں صرف تمہارے لئے زندہ ہوں!" لیکن وہ اس خط کو کہاں بھیجتی؟ وہ تو اس کے پتے سے بھی واقف نہ تھی! اُس نے کبھی خورشید سے دریافت نہ کیا تھا، اُسے اس کی فرصت ہی کہاں تھی؟

چند دن بعد خورشید پھر اندھیری آیا۔ وہ اب بھی اُتنا ہی دلکش اور اُسی قدر خود پسند تھا۔ فیروزہ نے مسکراتے ہوئے وہ خط اُس کے ہاتھ میں دے دیا۔ ایک صناع کی فطرت نے خورشید کو صاف صاف جواب دینے سے باز رکھا؛ اور وہ فیروزہ کے اقبال محبت کو اپنی ایک لطف انگیز داد سمجھ کر خاموش

ہو رہا۔ وہ سمجھتی تھی کہ اس ملاقات میں خورشید اُس کی دعوتوں کو لبیک کہے گا، اعترافِ محبت کی پذیرائی کرے گا! مگر یہ دیکھکر کہ اس کا یہ خیال غلط تھا اُس کی آرزوئیں دل کے اندر حرارت بن کر رہ گئیں۔ اس میں شک نہیں کہ محبت کی خواریاں بے انتہا ہیں۔ فیروزہ، غریب فیروزہ نے محبت کی بھیک مانگی مگر خورشید اس سے زیادہ متمرد ہو گیا؛ اور وہ اس دفعہ بھی اپنی معمولی نرمی و ملاطفت کے ساتھ وداعی بوسہ لیکر رخصت ہو گیا۔

فطرت کی تقسیم ہمیشہ سے قابل اعتراض ہے مگر خورشید کے معاملے میں اتنا خیال رکھا گیا تھا کہ اُسے انشا رو نگارش کے جوہر کے ساتھ نہ صرف حسن و وجاہت عطا کی گئی تھی بلکہ معقول خاندانی ورثہ بھی مرحمت ہوا تھا؛ اس لئے کوئی صحبت، کوئی مجلس اور کوئی دروازہ اُس کے لئے اجنبی نہ تھا! وہ ایسی ذہانت کا مالک تھا کہ اُس نے لوگوں کے انتخاب اور اُن کے سمجھنے میں کبھی کوئی غلطی نہیں کی۔

خورشید کا تکبر و استغنا اکثر مشکلوں کا حل ثابت ہوتا تھا، مگر منتہائے تمدن پہ پہونچ کر، جیسا کہ ہمیشہ ہوتا ہے، لوگوں کو

اپنی پیچیدہ اور میکانکی شخصیتوں کا احساس ہوتا ہے ؛ اور یہ احساس اُس وقت ہوتا ہے جب اپنے امتیاز و تشخص کی قیمت اپنے بطلان عقائد اور انفعال و التہاب کی صورت میں ادا کرتے ہیں۔ خورشید اس وقت تمدن کے اسی درجے پر تھا۔ بمبئی کی پُر تصنع زندگی میں منہمک رہنے کے بعد اُسے ضرورت پیدا ہو رہی تھی کہ اب وہ اپنی ذکاوت و ذہانت کا تختۂ مشق کسی سادہ سی ہستی کو بنائے اور اُس کے قلب و دماغ کے صفحۂ سادہ پر اپنا احترام قائم کرکے اُس کی اچھوتی داد سے اپنے خستہ و ماندہ قلب کو تسکین دے۔ کیونکہ وہ جن کمالات کا پیکر تھا وہی خصوصیات سوسائٹی کے ہر فرد میں، کم و بیش پائی جاتی تھیں۔ اور اس وجہ سے اُس کا غرور و پندار مجروح ہوتا تھا۔ فیروزہ میں اسے ایک ایسی ہستی مل گئی تھی چنانچہ اب وہ اپنے دنیائے تمول اور تصنع کے پیدا کردہ اضمحلالِ روح کے لئے فیروزہ کی دو دن کی صحبت کو نوشدارو بنا رہا تھا۔ وہ اپنے تشخص و تکبر کو تازہ کرکے پھر بمبئی واپس چلا گیا۔ فیروزہ کی سادگی نے اپنی طبیعت کے خلاف ہزار ترکیبیں اس کو لبھانے کی اختیار کیں اور بظاہر اس کا التفات فیروزہ کو حاصل بھی ہو گیا، لیکن وہ خورشید کو

روک لینے میں کامیاب نہ ہو سکی اُسے نہیں معلوم تھا کہ خورشید کا دل ہی وہ چیز ہے جو قدرت نے اُس کے دوسرے کمالات کے پیمانے پر نہیں بنایا اور اس میں "محبت" کے لئے کوئی جگہ نہیں رکھی۔ انجام کار فیروزہ پر ردعمل کا دور آیا اور اسے اپنے نسوانی پندار و خودداری کے پامال ہونے کا احساس ہوا، اسے یہ ناگزیر احساس ہو گیا کہ محبت جتنی عالی ہو گی، اذیتیں اتنی ہی شدید ہوں گی! خورشید چندبار بمبئی سے اندھیری آیا اور فیروزہ کو پہلے سے زیادہ خستہ و مجروح کر کے اس کے اس عقیدے کو زیادہ مستحکم کر گیا۔

"خورشید اپنی لمبا نقاشی لے کر ساحل کی طرف جارہا تھا اور فیروزہ جھلملیوں میں سے اپنی نگاہوں کو اُسکی مشایعت میں بھیج رہی تھی۔ سڑک پر بمبئی کی طرف جاتی ہوئی، ایک نہایت شاندار موٹر اس کے پاس سے گزری اور چند قدم بڑھ کر رک گئی۔ ایک نقاب پوش خاتون ذرا جھکی اور نہایت شیریں آواز اور شیریں تبسّم کے ساتھ خورشید سے کہنے لگی:۔

"کیا؟ خورشید! تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ عجیب حسنِ اتفاق

ہے!" یہ کہہ کر اُس نے اپنی آواز کو سرگوشی میں بدل دیا، جس کا اثر یہ تھا کہ خورشید کی گردن میں ذرا سا خم پیدا ہوا، سر کسی قدر بلند ہو گیا اور اُس نے اپنے مستقل اندازِ استہزا میں کہا :-

"یہ آپ کا خیال ہی خیال ہے۔" اور پھر طفلانہ شوخی و سرعت کے ساتھ موٹر میں اس کے برابر بیٹھا نظر آیا۔ موٹر روانہ ہو گئی اور گو جھلملیوں سے دیکھنے والی نگاہوں نے اس واقعے کو نہ دیکھنا چاہا، مگر نتیجہ یہ تھا کہ آثارِ محبت و مسرت کی جگہ وحشت و غمگینی کو مل گئی تھی۔ فیروزہ اپنی بے صدا چیخیں خود اپنے ہی کو سنائی معلوم ہوئی اور اسکی نمناک آنکھیں خشک آنسو بہاتی نظر آئیں۔

"الٰہی! میں کیا کروں؟ میں کر ہی کیا سکتی ہوں!" ایک آہ بھر کر اُس نے خود ہی سوال کیا اور پھر "اُسے نہ دیکھوں، اُس سے نہ ملوں!" خود ہی جواب بھی دے لیا۔

(۳)

فیروزہ کی ماں کی زندگی میں، جہانگیرجی دادا بھائی نے جو اِن کا ہمسایہ بھی تھا کوشش کی تھی، کہ فیروزہ کے ساتھ اپنی شادی کا پیغام دے، لیکن فیروزہ کی ماں نے اُسکی اس خواہش کو طفلی ہی میں پامال کر دیا تھا۔ حالانکہ اُس وقت سے کہ فیروزہ

اور جہانگیر نے شعور سیکھا وہ اس خیال کی آبیاری کرتا رہا تھا۔ جہانگیر کا باپ اس مختصر آبادی میں سب سے زیادہ دولت مند آدمی شمار کیا جاتا تھا، لیکن بدنصیبی سے روئی کے سٹے میں اُسکی تمام دولت ہاتھ سے نکل گئی اور اب دفتر کی کلرکی جہانگیر کی بسر اوقات کا ذریعہ تھی۔

جہانگیر نے اپنی حالت کا اندازہ کیا اور فیروزہ پر کبھی اپنی محبت کا اظہار بھی نہ کیا، ورنہ یہ ممکن تھا کہ وہ خود فیروزہ کو شادی کا پیغام دیتا اور وہ اس کو منظور بھی کر لیتی؛ اور پھر اس کی ماں بھی مجبور ہو جاتی۔ بہرحال فیروزہ کو اُس کی طرف محبت کا خیال بھی نہ آیا تھا؛ لیکن وہ جانتی تھی کہ جہانگیر اپنی نصف زندگی اُسے بیوی بنانے کے لئے قربان کر سکتا ہے، مگر خود اپنے دل میں اُس کے لئے کوئی جگہ نہ پاتی تھی۔ جہانگیر کو اپنی محرومی کا سخت احساس تھا۔ فیروزہ و خورشید کی دوستی اُس کے علم میں تھی۔ لیکن اُس کے حیات کے عجز نے رشک و حرماں کا اثر بہت کم ہونے دیا۔ اور چند روز بعد اُس نے قطعاً آنکھیں بند کر لیں: وہ اپنے مکان کے دریچے ہر وقت بند رکھتا تھا کہ یہ دونوں ساتھ نظر نہ آئیں۔ وہ شام کے وقت ساحل کی سیر کو نہ جاتا تھا کہ مبادا یہ دونوں ساتھ مل جائیں۔

(۴)

دوسرے روز وہی پر شان و شوکت موٹر فیروزہ کے دروازہ پر آکر ٹھہر گئی۔ اُسے اطلاع ہوئی اور اُس نے خورشید کا جو سامان وہاں تھا نوکر کے ہاتھ پہنچوا دیا؛ اور جو خط اُسے دیا گیا بغیر پڑھے اپنے نام کو کاٹ کر خورشید کا نام لکھا اور واپس کر دیا۔ دو دن کے بعد ایک اور خط بذریعہ ڈاک موصول ہوا: وہ ایک ایسی حالت تاسف و ملال میں مبتلا تھی جو از حد قابلِ رحم تھی۔ تھوڑی دیر تو انتہائے تذبذب کی حالت میں فیروزہ اُس خط کو الٹتی پلٹتی رہی لیکن یکایک اُس کے خد و خال اور حرکات و سکنات میں عزم کے سوا اور کسی چیز کا اعتبار نہ رہ گیا؛ اور اُس خط پر "واپس" لکھ کر لیٹر بکس میں ڈالنے کے لئے خود گئی اور اُس اضطراب و عجلت کے ساتھ کہ گویا وہ ایک انگارہ تھا جو اُس کی انگلیوں کو جلائے دے رہا تھا۔

خورشید کو خطوں کے ذریعے سے کامیابی نہیں ہوئی تو ایک روز وہ تنہا اُسی موٹر پر سوار ہو کر پہونچا۔ فیروزہ نے دور سے موٹر کو آتے دیکھ کر دروازہ بند کر دیا، اور خدمتگار کو ہدایت کر دی۔ خورشید دروازے میں داخل ہونا چاہتا تھا اور خدمت گار اُس سے کہہ رہا تھا کہ "بائی جی ملاقات نہیں کر سکتی ہیں" کہ فیروزہ تڑپکر

دروازہ کھولدینا چاہتی تھی۔لیکن جب تک وہ نوکر کو دوسرا حکم دینے کے لئے اپنے تئیں طیار کرے خورشید اس خجالت کو اپنی مستقل ادائے تمسخر میں چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے واپس جاچکا تھا۔ وہ اس وقت اپنے تئیں انتشار کی ایک ایسی حالت میں مبتلا دیکھ رہا تھا جس کا تجربہ اسے اس وقت سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا، اور جس کی وہ کبھی توقع بھی نہ رکھتا تھا۔ اُس کے محسوسات متضاد تھے ؛ وہ چاہتا تھا کہ اس واقعے کو اُسی طرح، جس طرح وہ سوسائٹی کے اور بہت سے معاملات پر نظر ڈالتا تھا، گزار دے، اُس کے جبات کی ہیجینی مانع ہو رہی تھی کہ وہ اُسے اپنے ذہن سے محو کرسکے۔ یہ اُس کے لئے ایک نیا تجربہ تھا، اور اس کی فطرت کے لئے ایک شدید درس۔

آفتاب غروب ہوگیا تھا اور فضا کے سوگوارانہ تاثر نے فیروزہ کو اپنے اندر جذب کر لیا تھا۔ وہ کچھ اس درجہ محو ہوگئی تھی کہ ہرچند وقت معمول سے بہت زیادہ گزر گیا تھا مگر اُسے واپسی کا خیال بھی نہ آیا۔ منظر کی اُداسیوں میں اُس نے اپنے دل کے لئے کچھ ایسی ہمدردی پائی کہ وہ وہاں سے اُٹھنے پر قطعاً آمادہ نہ تھی۔ خورشید کو آخری مرتبہ اندھیری آئے ہوئے دو ہفتے گزر چکے تھے، اور فیروزہ اس وقت اُس کا خیال بھی بہت کر رہی تھی۔ اس انہماک و خود فراموشی

کی حالت میں کسی نے پیچھے سے آکر فیروزہ کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور وہ چونک پڑی، ہر چند وہ خوف سے بید جنوں پڑ گئی لیکن جب اُس نے خورشید کو دیکھا تو وہ کچھ نہ تھی مگر تسلیم و رضا اور عجز و فتادگی کی ایک تصویر! اسکی تمام بہانیاں محو ہوگئیں اور تمام ارادے بے معنی ثابت ہوئے اور اُس کے بعد یہ دو لڑکی اکثر ساتھ دیکھے گئے! اور فیروزہ فتاد کی محبت کی مسرتوں میں پھر کھو گئی۔ اس دفعہ جب وہ بمبئی جانے لگا تو وعدے وعید کے ساتھ۔ فیروزہ نے دکھتے ہوئے دل اور مسرور امید وں کے ساتھ اُسے رخصت کیا۔

بمبئی پہونچکر خورشید کی پھر کوئی خبر نہ ملی اور اسکی خودغرض فطرت پھر بروئے کار آگئی۔ اس پیماں شکنی نے فیروزہ کے دل کو پاش پاش کر دیا۔ اُس نے کسی قسم کی کوشش نہ کی اور اکثر مکان میں بند رہنے لگی۔ چند دن بعد جب اس کا قلب اس صدمہ کا متحمل ہو سکا تو اس خیال سے کہ خورشید پھر اپنی صورت دکھا کر اس کے عزم کو متزلزل نہ کر دے، فیروزہ نے جہانگیر کو بلا بھیجا۔ جہانگیر جب اس کے پاس پہنچا تو خوف و عجز کا پتلا بنا ہوا تھا۔ فیروزہ از حد نڈھال تھی، اور اس کی حالت خستہ و زار۔ جہانگیر نے ڈرتے ڈرتے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"جہانگیر! میرا دل تو ٹوٹ چکا ہے، لیکن اگر یہ اب بھی تمہارے کام کا ہے تو حاضر ہے!" جہانگیر اپنے آنسو ضبط نہ کر سکا؛ اور اس کا جواب اس نے اس طرح دیا کہ اپنے لبوں کو فیروزہ کی نازک انگلیوں پر رکھ دیا اور دیر تک اسی حالت میں رہا۔

فیروزہ کے باپ کا کوئی ارادہ اپنا ارادہ نہ تھا اور اس نے کبھی کوئی بات فیروزہ کی مرضی کے خلاف نہ کی تھی۔ چنانچہ ان دونوں کی شادی اسی ہفتے میں ہو گئی اور وہ نہایت سادہ زندگی گزارنے لگے: فیروزہ، جس کا نصیب یہ تھا کہ "جذبۂ عالیہ" سے روشناس ہو اور جہانگیر جس کی تقدیر یہ تھی کہ اپنی تنہائیوں اور مایوسیوں میں فیروزہ کو چاہتا رہے، یہ دونوں سکونِ حیات کے زمانے میں دیکھنے کی چیز تھی!

خورشید کا یہ فلسفہ کہ "جذبۂ عالیہ" کی زندگی حرمان دائم ہے اور اگر وہ المناک انجام سے بچ سکتا ہے تو پھر شعریت سے معرّا ہو جاتا ہے، ایک حد تک مان لینے کے قابل ہے، لیکن خورشید نے جو کچھ کیا، اس کی کیا تاویل ہو سکتی ہے کہ فیروزہ کی دلشکستگی جہانگیر کی غیر شاعرانہ آغوش میں پناہ گزیں ہوئی؟ کیا خورشید کی قوتوں نے اس کی محبت کو مضمحل نہیں کر دیا؟

فیروزہ کی شادی کی اطلاع خورشید کو پہنچی۔ اس خبر نے اس کے خوابیدہ دل کو بیدار کیا۔ اور اب وہ اپنی ہستی سے بھی خفا تھا۔ سماج نے اس کے بعد سے خورشید کو پھر نہ دیکھا، وہ آبادی سے علیحدہ ایک تنہا و مختصر مکان میں رہنے لگا اور ایک ایسا نقش بنانے میں مشغول ہو گیا جس کا عنوان اس نے "مداوائے حرماں" قائم کیا ہے: اس نقش میں وہ خود اپنا اور فیروزہ کا رومان نظم کر رہا ہے اور اگر وہ اسے مکمل کر سکا تو دنیا اس موضوع پر اس سے بہتر نقش نہ دیکھ سکے گی!

۱۹۲۴ء

ایک انکشاف

گلنار کی موت نے کوئی شک نہیں کہ شہر میں ایک سانحہ پیدا کر دیا تھا؛ نہ صرف اس وجہ سے کہ وہ ایک ادا طراز و دلفریب نازنین تھی بلکہ اس لئے بھی کہ وہ اپنے حسن و جمال کی طرح فنِ نغمہ و موسیقی میں تکمیل کا درجہ رکھنے کے ساتھ ساتھ مجلسی علم سے کما حقہٗ واقف تھی۔ چنانچہ اس کے بے شمار دل گرفتوں کے علاوہ ایک خاصی تعداد ایسی معترفین و مداحین کی بھی تھی جسے صرف اس کے فن اور خوش مذاقی سے دلبستگی تھی؛ اور یہی باعث تھا کہ اس کے موت کے دن سارے شہر میں چھا تھا۔ لیکن جب وہ دوزخ میں داخل کی گئی تو وہاں کسی کو کانوں کان بھی خبر نہ ہوئی۔ ہر چند وہ اس سے بہتر ٹھکانے کی خود بھی متوقع نہ تھی، مگر اتنا پندار ضرور رکھتی تھی کہ دوزخ میں اس کا خیر مقدم التفات و توجہ کے ساتھ ہوگا۔ لیکن اس توقع میں اُسے مایوسی ہوئی۔

انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ جس طرح وہ اخلاق عالیہ اور مقاماتِ علویہ کے حصول میں اپنے تئیں سب سے برتر دیکھنے کی خواہشمند

ہوتی ہے اسی طرح فسق وفجور کے دائرے میں بھی اعلیٰ منصب کی طلبگار ہوتی ہے ! چنانچہ گلنار دنیا کی طرح دوزخ میں بھی سب سے بلند پایہ معصیت کار کہلائے جانے کی متمنی تھی ؛ مگر چونکہ ہر وہ شے جسے جی چاہے آسانی سے حاصل نہیں ہوتی اس لئے گلنار کو اپنی برتری و تفوق حاصل کرنے کے لئے ہر دشوار مقابلے کیلئے طیار ہونا پڑا۔ ان مساعی میں سرگرم دیکھکر دوزخ والے' وہ جن کے نام عالم اجسام کیطرح وہاں بھی ہیبت پیدا کرنے کے لئے کافی تھے ؛ مثلاً ہیلین اور کلیوپیٹرا وغیرہ ' اُس پر ہنستے تھے ۔

گلنار جب اپنی فرصتِ حیات اور اُس کے کارناموں پر نظر ڈالتی تو غیر مطمئن نہ ہوتی تھی۔کیونکہ اُسے اپنی تمام عمر میں ایسے دو ایک ہی موقعے نظر آتے تھے جن سے فائدہ اُٹھانے میں وہ کسی باعث قاصر رہی تھی ؛ اور اس کے لئے وہ قصوروار بھی نہیں ٹھرائی جاسکتی تھی ؛ انسان اگر اعمالِ حسنہ میں تکمیل کا درجہ حاصل نہیں کرسکتا تو افعالِ سیۂ میں کیونکر کمل ہوسکتا ہے ؟ وہ بھی انسان تھی۔ تاہم اُسے یقین تھا کہ دنیا میں جتنا کام وہ تیس سال کی عمر میں کرآئی ہے دوسرے کے لئے اس سے دوچند زمانے میں بھی دشوار ہے !

اپنے بچپن میں گلنار نہایت پیاری لڑکی تھی، لیکن اس کا پھول کی طرح شگفتہ چہرہ اس وقت بھی اُسکی شریر فطرت کا غلاف تھا۔ اس کم سنی میں وہ جو باتیں کر جاتی تھی وہ بالاخانوں پر بھی اس عمر کے لئے معیوب سمجھی جاتی ہیں۔ غرض طفولیت سے لے کر شباب اور پھر نزع کے وقت تک گلنار صحیح طور پر دعویٰ کر سکتی تھی کہ وہ نہ صرف اپنے طلبگاروں بلکہ اپنی ماں اور شاید خدا کے سامنے بھی خلوص و وفا پیشگی کی مرتکب نہیں ہوئی!

اُس کے لئے وہ شادیٔ مرگ کا وقت تھا جب گلنار کے دو چاہنے والے آپس میں برسرِ پیکار ہوئے: ایک زخموں سے جانبر نہ ہو سکا اور دوسرا اُس کے خمیازے میں جان دینے پر مجبور ہوا۔ اس واقعے کو اُس نے اپنی بارگاہِ غمزہ و ناز کی روایات عالیہ میں زریں حروف سے لکھا؛ اور اس دن سے اُس کا آستانِ عربدہ کار و عشوہ فزا بلند، اس کا شوالۂ محبوبی اور بھی مقبول ہو گیا!

گلنار نے نفنا ئے جحیم پر ایک نگاہِ تفہیم ڈالی اور تہیہ کر لیا کہ وہاں کی آبادی سے اپنی فوقیت تسلیم کرا کے رہے گی۔

تمدن کے انقلابات اور اُن کا ارتقا مسلم ہے:
دوزخ کے کاروبار اور رسم و عوائد کی سند اب لندن و پیرس سے لی جاتی تھی۔
ہندوستان کے شاہدان بازاری کے کوٹھے تو اس زمانے میں بھی حسب دستور قدیم، تنگ و غلیظ ہوتے ہیں، لیکن لباس کی طرح آرائیاں ضرور شاہد بن جاتی ہیں کہ یہ دور جدید ہے۔
گلنار اپنے طبقے میں سب سے زیادہ "جدید" تھی؛ اور یہی باعث تھا کہ دوزخ کا نظام تو اس کے لئے کوئی اجنبی شئے نہ تھا۔
"جوئندہ یابندہ" کہا گیا ہے۔ تھوڑے ہی عرصے کی کوششوں نے گلنار کو دوزخ کی نئی پود کا لیڈر بنا دیا؛ اور کچھ اور مدت گزرنے کے بعد بالاتفاق تسلیم کر لیا گیا کہ دوزخ کے کاموں اور وہاں کے معاملات میں اُسے اجتہاد کا درجہ حاصل ہے۔ گلنار، دوزخ اور دوزخیوں کی تاریخ پر اکثر لیکچر دیا کرتی تھی۔
کلیوپیٹرا کی صدارت میں اس نے ایک دن تقریر کی اور نہایت فصاحت کے ساتھ بیان کیا کہ دوزخیان متقدمین کیسی کیسی خفیف غلطیوں کے مرتکب ہوئے؛ جو خصوصیات ان ہستیوں سے

نامزد ہیں اور جنکی باعث وہ نامور ہوئیں وہ کس درجہ معمولی باتیں تھیں۔ ہمارے معزز صدر کے کارناموں کو دنیا کے مورخین نے میل کا پتھر بنا دیا ہے میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ معصیت کاری کے جو جو پیرائے آج دنیا اور مخصوص مغربی دنیا میں رائج و مستعمل ہیں یا اس جلسے کے معزز صدر کے خواب خیال میں بھی نہ آسکے ہوں گے !"

جنس کرخت کے مستند دوزخی گلنار کی محبوبیت اور قابلیت کے بندۂ بے درم بن گئے تھے؛ اور اس کے ایک ایک فقرے پر صدائے مرحبا بن جاتے اور ان کے جسم جنبش میں آکر بھی اعتراف ہو جاتے تھے۔

مگر اس کامیابی سے بھی گلنار کی فطرت مطمئن نہ تھی۔ اس نے خیال کیا کہ دوزخ کی آبادی جب اسکی عشوہ طرازیوں اور غمزہ فروشیوں کے تصرف میں آچکی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ شاہنشاہِ جحیم اس کے پرستاروں میں داخل نہ ہو پھر اس نے نہایت حزم و احتیاط سے اسپر غور کیا کہ آیا اس کا یہ خیال کسی طرح سے "خام" تو نہ تھا! آخر آخر گلنار نے اس مہم کا تہیہ کر ہی لیا۔

وقتاً فوقتاً عزازیل نے گلنار پر عطائے تبسم کی تھی اور اسی بنا پر وہ امید بھی کر سکتی تھی کہ اسکی کمزوری کا پتہ، ایک نہ ایک دن، چل ہی جائے گا۔ اتبک ایسا کیوں نہ ہوا؟ اس کا جواب وہ خود ہی دے لیتی تھی کہ کسی عورت نے اتنی جرات ہی نہ کی ہو گی! شیطان کو مفتوح کرنے کیلئے ایک بڑی شخصیت

کی ضرورت ہو جس پہ شیطان کے معمولی حربے بیکار ثابت ہوں اور گلنار اس لحاظ سے اپنے تئیں بہمہ وجوہ اہل سمجھتی تھی۔ اس کامیابی کیلئے گلنار کو اتنا ضرور گوارا کرنا پڑا کہ دوزخ کی حکمرانی شیطان کی ملکہ بنے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی حالانکہ دنیا میں یہی ایک شئو تھی جس سے اُسے سخت نفرت رہی تھی۔

دوسرے دن گلنار اپنے تمام اسلحۂ دلربائی کے ساتھ آراستہ ہو کر شاہِ جہنم کے محل پہ پہنچی اور اُس کا خیر مقدم احترام کے ساتھ ہوا۔ دوسری ملاقات میں اُنس کا استقبال مسرت کا ثبوت دے رہا تھا۔ اور تیسری مرتبہ اسکی پذیرائی سے بے نہایت لطف و بے تکلفی ظاہر ہو رہی تھی۔

چند ہی روز میں گلنار کی ہر شام شاہی محفل میں صرف ہونے لگی اور شب کا کھانا بھی وہیں کھایا جاتا تھا۔ جتنی شاہی تقریبات ہوتی تھیں، گلنار کی جگہ عزازیل کے پہلو میں ہوا کرتی تھی۔ اور اُس نے اس بات کو کبھی راز نہ بنایا کہ گلنار اُسکی محبوبہ نہ تھی! لیکن بایں ہمہ گلنار اس کی متمنی ہی رہی کہ ایک دن تو عزازیل کے منہ سے لطف و محبت کے الفاظ سن لے! ان خلوتوں میں بھی جب یہ دونوں تنہا، اس کے عظیم الشان تخت پہ صرفِ راحت ہوتے اور مزے مزے کی باتیں ہوا کرتی تھیں، عزازیل کی زبان سے کبھی کوئی ہمت دلانے اور

جرأت بڑھانے والا لفظ نہ نکلا۔ اس صورتِ حال سے گلنار نہ از حد خفا تھی : مقصود سے اتنا قریب ہوتا اور پھر اس کو اپنی دسترس سے باہر پانا ، حقیقتاً ایک عذاب تھا اور سخت ! اسی پر بس نہیں بلکہ اب گلنار کی خواہشیں اور جذبات جو محض حصولِ تفوق کے لئے تھے اُن کی حقیقت اب دوسری ہو گئی تھی : اب وہ شیطان سے واقعی محبت کرنے لگی تھی !

"میں تمہاری محبت میں کب سے مبتلا ہوں" ایک دن گلنار نے اپنے جذبات سے تنگ آکر اس سے کہہ ہی دیا " اور تم کچھ خیال ہی نہیں کرتے ! میں نے دنیا میں بھی کبھی محبت نہیں کی تھی مجھے اپنے پہلو میں دل کے ہونے کا علم و احساس تو تم نے کرایا ہے !"

" عزازیل کے ہونٹوں پر متلون تبسم نمودار ہوا اور اُس کی آواز معمول سے زیادہ نرم محسوس ہوئی جب اُس نے کہا :۔

" تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میں تمہیں محبوب رکھتا ہوں" اس قدر محبوب کہ میں تمہیں اپنی ملکہ بنا لیتا ! لیکن میں اس پر قادر نہیں !"

"قادر کیوں نہیں ؟ " گلنار نے متحیر ہو کر سوال کیا۔

" مجھے وعدہ کرو کہ اس راز کو ظاہر نہ کرو گی !"

شیطان نے اس سے وعدہ طلب کیا۔

"میں وعدہ کرتی ہوں۔" گلنار نے کہا۔

"میں تمہیں اپنی ملکہ اس لئے نہیں بنا سکتا کہ میں بھی تمہاری ہی طرح ایک عورت ہوں!" شیطان نے اس کے کان میں چپکے سے کہدیا!

۱۹۲۵ء

(مختار)

قرعۂ محبت

"ہاں جلیل، تمہارا خیال بالکل درست ہے۔ میں اس وقت سخت خلفشار میں مبتلا اور اپنی زندگی کے سخت ترین دورِ کشمکش سے گزر رہا ہوں۔" جمالی نے غمناک لہجے میں جلیل کے سوال کا جواب دیا۔ "میں جب رقیہ کے ساتھ ہوتا ہوں تو محسوس کرتا ہوں کہ دنیا میں صرف وہی ایک لڑکی میرے لئے پیدا کی گئی ہے! لیکن جب زکیہ کی معیت نصیب ہوتی ہے تو سمجھتا ہوں کہ وہ لڑکی رقیہ نہیں بلکہ زکیہ ہے۔ اور جب دونوں میرے سامنے ہوتی ہیں تو بس میں کھو جاتا ہوں۔"

"مجھے تمہاری اس حالت سے واقعی ہمدردی ہے۔" جلیل نے ایک گہری سانس سے اپنی ہمدردی کا ثبوت دیتے ہوئے سر کی حرکت سے ظاہر کیا کہ وہ جمالی کا بیان بخوبی سمجھ گیا ہے۔ "اور میں تمہاری الجھن کو اس وجہ سے اور بھی بہتر طور پر سمجھ سکتا ہوں کہ میں خود بھی تم سے بہتر حالت میں نہیں ہوں: ہم دونوں ایک ہی ناؤ پہ سوار ہیں!"

"جمالی اس کے فقرے سے پریشان سا ہو کر جلیل کی صورت دیکھنے لگا! کیونکہ اس قلیل وقفے میں وہ جو قیاس قائم کر سکا اور جو نتیجہ نکال سکا وہ جمالی کو منتشر کر دینے کے لئے کافی اور ایک ایسا معمہ تھا جو اس سے قبل جمالی کے ذہن میں بھی نہ آیا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ ان دونوں کا تعارف رقیہ اور زکیہ کے مکان پر ہوا اور جمالی کا خیال اس طرف ضرور منتقل ہو سکتا تھا کہ جمیل بھی ان دونوں میں سے کسی ایک کا ضرور خواہاں ہوگا۔ لیکن وہ سوچتا تو جب کہ اس کے دل و دماغ کو اتنی فرصت ہوتی۔

"کیا تم مجھ سے مذاق کرتے ہو؟" جمالی نے بیتاب ہو کر سوال کیا۔ "تمہیں بھی دونوں میں سے کسی کے ساتھ محبت ہے؟"

"کسی کے ساتھ نہ کہو تمہاری طرح مجھے بھی دونوں سے برابر کی محبت ہے، اگرچہ یہ ناممکن ہے۔ میں خود بھی انتخاب کے لئے مر رہا ہوں۔" جلیل نے جواب میں کہا۔

اس کے بعد سکوت تھا! دونوں سوچ میں تھے اور ایک ہی وقت میں گوناگوں خیالات کی جنگ میں مصروف! محبت کی اس قرعہ اندازی کا نتیجہ کیا ہوگا؟ یہ بات

ابھی تک اُن کے قیاس سے باہر تھی! باغ کی بنچ پر سے اٹھ کر دونوں سامنے کے "ریسٹورانٹ" میں داخل ہوئے جہاں جمالی نے جلیل کو چائے پر مدعو کیا تھا۔ چائے کی صحبت اس انکشاف کے بعد اتنی لذیذ نہ رہ گئی تھی۔ دورانِ چائے نوشی میں بھی دونوں خلجان میں مبتلا رہے۔ چائے سے فارغ ہونے کے بعد جمالی نے اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کی۔

"جلیل، کیا حقیقتاً تم نہیں جانتے کہ تمہیں رقیہ سے اُنس ہے یا زکیہ سے؟" جمالی نے دریافت کیا۔

"نہیں! مگر میں تم سے یہی سوال کرتا ہوں" جلیل نے جواب دیا۔

گفتگو اس سے آگے نہ بڑھ سکی کیونکہ گنجائش ہی نہ رہ گئی تھی چنانچہ ان دونوں کی زندگی کا اہم ترین عقدہ اب بھی لاینحل ہی رہا۔ چند منٹ کی خموشی کے بعد جمالی نے حرکت کی اور کچھ اس انداز سے کہ اس نے گوہر مقصود کو پا لیا ہے۔ جلیل سے کہنے لگا۔

"سنو! میں رقیہ اور زکیہ کو فرداً فرداً اپنے ساتھ موٹر پر سیر کو لے جاؤں گا۔" جمالی نے خوش آئند خیالات سے مخمور ہو کر کہا۔ "اور اس طرح غالباً میں ایک قطعی نتیجے تک

پہنچ سکوں کہ مجھے واقعی محبت کس کے ساتھ ہے۔"
ایک روز رقیہ جمالی کے برابر موٹر میں بیٹھی ہوئی سیر کو جا رہی تھی۔ جلیل نے رشک آمیز نگاہوں سے دیکھا۔ اور پھر اُس کے بعد دوسرے دن زکیہ کو رقیہ کی جگہ پر متمکن دیکھ کر ہمہ احساس رشک بن گیا۔ مگر اس کے بعد کی ملاقات میں اس نے جمالی کی زبان سے ایک حرف نہ سُنا کہ وہ حصولِ مدعا سے نزدیک تر ہوا یا نہیں۔
دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ جمالی اس سعی میں بھی کامیاب نہ ہوا۔
رقیہ اور زکیہ دو توام بہنیں اور ڈاکٹر رضا حیدر کی لڑکیاں تھیں۔ توام ہونے کے ساتھ ساتھ دونوں بہنوں کے خد و خال میں سرمو فرق نہ تھا۔ انداز و ادا میں بھی یکساں تھیں اور دونوں اپنی اپنی جگہ دلنشینی و رعنائی کا مکمل مرقع تھیں۔ ایسی صورت میں جلیل اور جمالی کا تذبذب کچھ بیجا نہ تھا۔ دونوں لڑکیوں کی تعلیم و تربیت بالکل جدید طریقے پر ہوئی تھی اور موجودہ تمدن کی تمام دلربائیاں اُن کے خداداد حسن و جمال سے اہم آہنگ ہو کر خدا جانے

کیا چیز بن گئی تھیں۔ ڈاکٹر صاحب "مشین میڈ" مسلمان تھے۔ اور مشین بھی انگریزی ہی کارخانے کی۔

ابھی ان دونوں بہنوں کا "مغربی آدابِ معاشرت میں "کمنگ آؤٹ" (Coming out) بھی نہ ہوا تھا، (یعنی ایک ضابطے کی دعوت میں وہ سوسائٹی کے سامنے پیش نہیں کی گئی تھیں) اور وہ ہنوز اسکول کی آخری جماعت میں تھیں، جب بعض شریف خاندانوں کی طرف سے ڈاکٹر صاحب کے پاس پیام آئے تھے۔ مگر انھوں نے کچھ اعتنا نہ کیا۔ کیونکہ ان کے عقیدے میں وہ اس کے مجاز نہ تھے۔ اس کے بعد بھی ڈاکٹر صاحب نے بعض "مسلمان" خاندانوں کے پیام یہ کہہ کر رد کر دیئے کہ:۔

"یہ طریقہ بالکل لغو ہے۔ پیغام خود لڑکے کی طرف سے ہونا چاہیئے۔ اور اگر کسی نوجوان کی خواہش ہے کہ میری کسی لڑکی کو اپنا شریکِ زندگی بنائے تو آئے باقاعدہ میرے خاندان میں تعارف حاصل کرکے ملنا جلنا چاہیئے۔۔۔"

مگر رقیہ اور زکیہ نہ جاہل اور ذلیل کی طرح ناشناسِ تہذیب بھی نہ تھیں۔ وہ یہ جانتی تھیں کہ انھیں کس کے ساتھ تعلق

خاطر ہے؛ لیکن اس کو انھوں نے راز بنائے رکھا اور انکا برتاؤ دونوں کے ساتھ یکساں رہا۔

اس کے چند ہی روز بعد ایک دن جلیل، رقیہ اور زکیہ کو لئے ہوئے شہر سے باہر کی سڑک پر، ڈاکٹر صاحب کی سکونت بھی "کنٹری میڈ" انسانوں سے علیحدہ تھی، ہوا خوری کو جا رہا تھا۔ اس وقت اگر ہمارا کوئی شاعر جلیل کو اس طرح ایک پہلو میں سورج اور دوسرے میں چاند کو لئے دیکھ لیتا تو بلاشبہ ہماری زبان میں ایک حسین جزو ادب کا اضافہ ہوجاتا یہ صحیح ہے کہ صحبت جمیل کے ذیل میں راجہ اندر کی ہستی ضرب المثل ہوچکی ہے، لیکن ایک نوع سے جلیل کو اس وقت اندر پر فوقیت حاصل تھی؛ کیونکہ اندر نے اگر محبت واقعی کی ہوگی تو کسی ایک پری جمال سے۔ اس کے برخلاف جلیل ایک وقت میں دو برابر کے محبوب رکھتا تھا۔ لیکن اس وقت بھی وہ بجائے اپنی قسمت پر ناز کرنے کے بدنصیبی پر متفکر و متامل تھا، کہ اسے دونوں کے ساتھ یکساں الفت کیوں ہے؟ اسی الجھن میں وہ کبھی اپنے دائیں اور کبھی بائیں پر نظر ڈالتا اور سوچ میں پڑ جاتا تھا؛ اور اس لئے اپنے آپ سے بھی خفا نظر آرہا تھا۔

مرد نسبتاً کم درجہ حساس ہوتا ہے۔ اس پر طرّہ یہ کہ جمیل اپنے خیال میں از حد منہمک تھا ورنہ اسے اگر اس سے قبل نہیں تو اس وقت تو ضرور احساس ہو جانا چاہیئے تھا۔ کیونکہ زکیہ کی لبریز شوق نگاہیں بار بار اُس پر پڑ رہی تھیں! اور طرح طرح کے موضوع پیدا کرکے وہ جلیل سے باتیں کئے جا رہی تھی۔ وہ اگر چاہتا تو محض اُن دونوں کے دیکھنے ہی سے نتیجہ نکال سکتا تھا لیکن چونکہ مرد تھا، اس دیکھنے تک کو نہ دیکھ سکا۔

سرِ راہ ایک باغ تھا اور باغ کی دیوار پر بیر کی شاخوں میں نہایت خوشنما پھل نظر آرہے تھے۔

"کتنے خوبصورت بیر ہیں! جلیل، کیا، بیر توڑ کر ہمیں نہ کھلاؤ گے؟" زکیہ نے بچوں کی طرح مچل کر کہا۔

"اور ہمیں بھی!" رقیہ بولی۔

دیوار قدرے بلند تھی اور جہاں بیر لگے ہوئے تھے کوئی ذریعہ دیوار پر چڑھنے کا نہ تھا۔ چنانچہ کچھ آگے جاکر جلیل غریب بہ ہزار دقت دیوار پر چڑھا اور وہاں سے ڈارون کے نظریئے کا اعترافِ مجسم بنا ہوا، چاروں ہاتھ پاؤں سے چل کر بیروں تک پہونچا۔ ڈارون، شاید اصل

انسان کا تصوّر "ایسکو یتھ اینڈ لارڈ" کے بنائے ہوئے سوٹ میں کرکبھی نہ سکا ہوگا۔ جلیل بیر توڑ توڑ کر جیبوں میں بھر رہا تھا کہ اُس نے موٹر کی آواز، آواز تو کیا سامعہ خراش شور کہئے سنی جلیل نے پہچان لیا: وہ جمالی تھا اور گھبرایا ہوا موٹر اڑائے لئے چلا آرہا تھا۔ جلیل نے خیال کیا کہ صرف ان لڑکیوں کے دکھلانے کے لئے اتنی تیز چلا رہا ہے۔ لیکن جب موٹر نزدیک آگئی تو جلیل نے قیاس کیا کہ جمالی بدحواس ہے اور موٹر خراب ہو کر اُس کے قابو میں نہیں رہی ہے۔ رقیہ اور زکیہ جو سڑک پر کھڑی تھیں پہلے تو وہ سمجھیں کہ جمالی موٹر روک لے گا مگر جب موٹر نزدیک آگئی تو اُن کے حواس جاتے رہے۔ ایسے وقت میں انسان کی قوتِ فیصلہ و ارادہ مفقود ہو جاتی ہے۔ چنانچہ دونوں بہنیں اس درجہ خوف زدہ ہو گئیں کہ سڑک سے ہٹ جانا بھی بھول گئیں۔

"بھاگو ابھاگو !!" جمیل اپنی آواز کی انتہائی بلندی کے ساتھ پکارنے لگا۔ مگر نہ تو اس کی آواز سنی گئی اور نہ وہ اس جگہ سے حرکت کر سکیں۔ "بہتر کی

دو مورتیں تھیں جو قائم ہو کر رہ گئی تھیں!

شاید وہ لمحہ آگیا تھا کہ جلیل کے دل کی دوئی وحدتِ محبت کی صورت اختیار کرلے، کیونکہ وہ دیوار سے سڑک پر کودا اور زکیہ کو گود میں اٹھا کر باغ کی دیوار کے نیچے لے گیا! حالانکہ رقیہ زکیہ سے دو قدم اس طرف کھڑی تھی۔ یہ موقع نہ صرف جلیل کو یکسو کرنے والا ثابت ہوا بلکہ جمالی کے عقدے کا حل بھی اسی لمحے میں مل گیا۔ موٹر جب اُس کے قبضے سے باہر ہوگئی اور جب تک اس کے حواس بجا رہے اور وہ اپنی تمام کوششیں صرف کرچکا تو جان سے ہاتھ دھو کر موت کی ساعت کا انتظار کرنے لگا تھا۔ وہ اب اس سے بے پرواہ تھا کہ موٹر کس کس کی ہلاکت کا باعث ہوگی۔ اب تک اُس نے یہ بھی نہ پہچانا تھا کہ یہ سڑک پر کون کھڑا تھا۔ لیکن جب اُس نے ایک شخص کو کسی کو گود میں اُٹھا کر لے جاتے ہوئے دیکھا اور پھر سڑک پر کھڑی ہوئی ہستی کو دیکھا تو پہچانا کہ وہ رقیہ تھی۔ اب وہ ہمگی احساس تھا۔ اور وہ احساس یہ تھا کہ اپنی مقصودِ محبت کی جان بچائے۔ چنانچہ اُس نے ایکبار پھر سعی کی حالانکہ پہلے ناکام رہا تھا۔ مگر اس مرتبہ اُس سعی میں جذبۂ محبت شامل تھا۔ اور ٹھیک اسوقت

کہ اگر ایک لمحہ توقف ہوتا تو موٹر رقیہ کے اوپر سے گزر جاتی' اُس نے اپنی جان کی پروا نہ کرکے موٹر کا اسٹیرنگ (Steering) گھمایا۔ وہ گھوم گیا اور موٹر کھیت کے اندر ہوگئی۔ آگے بڑھ کر موٹر کھیت کی مینڈ سے ٹکرائی۔ جمالی سخت زخمی ہوا مگر رقیہ بچ گئی۔

رقیہ خوف سے آزاد ہوئی۔ اس منظر کو دیکھا اور ایک برق جہندہ کی طرح مجروح جمالی کے پاس پہونچ گئی۔

"خدا کا شکر ہے کہ میں تمہیں بچا سکا!" جمالی نے آنکھ کھول کر کہا' اس حال میں کہ اس کا سر رقیہ کے زانو پر رکھا تھا اور وہ جھکی ہوئی اشکبار آنکھوں سے جمالی کے چہرے کو دیکھ رہی تھی اور ساری کے آنچل سے اس کے چہرہ کی گرد اور خون پونچھتی جاتی تھی۔

"جمالی' تم زخمی ہو!" رقیہ نے کہا۔ "تم سخت مجروح ہو! تم نے مجھے بچانے کے لئے اپنے تئیں کیوں ہلاکت میں ڈالا؟" رقیہ نے اپنے سوال کی اہمیت کو محسوس نہ کرتے ہوئے سوال کیا۔

"صرف ایک وجہ سے' پیاری رقیہ' اس لئے کہ

مجھے تم سے محبت ہے !" جمالی نے جواب دیا۔
دوسری طرف جب جلیل نے زکیہ کو زمین پر رکھا اور اُس کے ہوش بجا ہوئے تو جلیل سے پوچھنے لگی :۔
"تم نے ایسا کیوں کیا ؟ اگر موٹر تمہیں بھی آ لیتی ؟"
اس سوال کا جواب جلیل نے اپنے جذبات کو نہ سمجھتے ہوئے یہ دیا کہ دوسرے ہی لمحے میں دونوں ایک دوسرے کی آغوش میں تھے۔
جلیل نے اُس کے گلرنگ لبوں کا ایک ہلکا سا بوسہ لیا۔
"آخر آخر تمہیں اب معلوم ہو گیا کہ تمہیں کس کے ساتھ محبت ہے۔" زکیہ مسکرا کر بولی۔ "بھولے میاں ! تم نے ایک حقیقت کی صحت میں اتنا عرصہ لگا دیا !"
"لیکن اب جب کہ مجھے علم ہو گیا ہے ' یہ یقین مستقل ہے !"
زکیہ کے ساغرِ چشم ہنسی کی شراب چھلکا رہے تھے محبت کی خود غرضیاں مسلم ہیں اس انکشاف وا عتراف کے بعد ان کو جمالی اور رقیہ کی یاد آئی تو چہرے سفید ہو گئے۔ دونوں نے اپنے اوپر نفرین کی اور ڈرتے ڈرتے کھیت کی طرف نظر کی۔ موٹر ایک جگہ اوندھی پڑی ہوئی تھی۔

"یہ دیکھکر کہ رقیہ مجروح جمالی پر جھکی ہوئی مسکرا رہی ہے دونوں نے اطمینان کی سانس لی۔

"معلوم ہوتا ہے جمالی کا خیال بھی کسی نقطے پر پہنچکر مستحکم ہو گیا ہے!" زکیہ نے کچھ لجاتے ہوئے کہا۔ "جلیل اب کیا بوسے ہی لیتے رہو گے۔ چلو جمالی کے زخموں کی دیکھ بھال میں رقیہ کی مدد کرو!"

۱۹۲۵ء

زہرہ کی ایک کرن

جمالی جس وقت اپنے مکان میں داخل ہوا، تو شروع ہی کرنے کی تاریکی نہایت شدید معلوم ہوئی لیکن بجلی کے بٹن تک پہونچتے پہونچتے اندھیرا کم ہونے لگا، اور بڑی بڑی چیزیں دکھائی دینے لگیں۔ ابھی اس کی انگلیاں بٹن پر پہونچی ہی تھیں کہ اس کی نگاہ سوفے پر پڑی اور قائم ہو کر رہ گئی۔ جس نظارے نے اس کی نظر کو مقید کر لیا وہ اس درجہ حیرت انگیز تھا کہ جمالی کے جسم میں ایک سنسناہٹ پیدا ہو گئی اور وہ بجلی روشن کرنا بھول کر آنکھیں ملنے لگا! پھر پیشانی سے پسینہ پونچھا اور خود ہی کہنے لگا "واہمہ بھی عجیب شے ہے۔" لیکن اس کی ہراسگی میں کمی نہ آئی۔

"آپ کا خیال صحیح نہیں ہے!" ایک نسائی مجسمے نے برق پاش تبسم کے ساتھ کہا، جو کوچ پر نیم دراز حالت میں نظر آرہا تھا، اور جس کے سفید عریاں جسم کے مدوّر خطوط نے جمالی کو یکسر حیرت بنا دیا تھا۔ جمالی ایک ذکی الحس نوجوان اور نازک تخیل رکھنے والا شاعر تھا۔ ان تبسّم لبوں کی دلپذیر

حرکت نے اُس کے ذہن و خیال کو اس طرح متاثر کیا جیسے اُس نے ریشم کو چھو لیا ہو۔ مگر صورت حال اس قدر غیر معمولی تھی کہ اُس کے شاعرانہ محسوسات بھی مضمحل ہوئے جا رہے تھے۔ ہاں اگر واقعات بدلے ہوئے ہوتے تو وہ اس لفظ پیہم "تغزل" اور مرقع "تشبیب" کی نیرنگیوں میں کھو جاتا ——— ایسا کہ شاید پھر نہ پایا جا سکتا! کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اُس نے آنکھیں ملیں تو سہی لیکن اب اس کا جی نہ چاہتا تھا کہ اُن کو پھر کھول دے! کیونکہ اب اسے یہ خوف تھا کہ کہیں یہ تخیلی فریب منظر غائب نہ ہو گیا ہو۔ مگر شوقِ تحقیق بھی مجبور کر دینے والا تھا۔ اس لئے اُس نے اپنی آنکھیں کھول لیں اور یہ دیکھ کر اُس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ وہ حدیقۂ جمال مع اپنی رنگینی و نکہت کے اب بھی اسکی نظر و خیال کو سرشار کرنے کے لئے موجود تھی!

"آپ نے گھر واپس آنے میں بہت دیر کی!"

"میں آپ کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے بیچین ہوں" جمالی نے نہایت گھبراہٹ میں سوال کیا۔

"آپ نے زہرہ کا تو نام سنا ہوگا، میں وہیں کی رہنے والی ہوں۔" لیکن یہ جواب اس نے ایسے لہجے میں دیا کہ گویا

اُس کے الفاظ بارانِ لطف کی تراوش تھے۔

جمالی کی سراسیمگی میں کمی آچلی تھی اور قوائے ذہنی ایک حد تک قابو میں آنے لگے تھے کہ اُس نے خیال کیا کہ اس بزمِ خاص کی جلوہ فروز ہستی، حیات اور جذبات کے لئے خواہ کیسی ہی جاذب کیوں نہ ہو مگر خود اُسے ایک مہذب و متین انسان ہونے کا ثبوت دینا چاہئے۔

"مگر مجھے سردی تو مطلق محسوس نہیں ہو رہی ہے"

"میرا مفہوم موسم کے اثرات سے متعلق نہ تھا! بلکہ یہ کہ دنیا میں اخلاق و حیا بھی آخر کوئی چیز ہے................"

"جی، میں یہ جانتی ہوں اور سمجھتی ہوں کہ آپ لوگوں کی احمقانہ برائیوں میں سے ایک یہ بھی ہے۔ لیکن آپ تو شاعر ہیں، صناعت کے نقطۂ نظر سے کیوں چشم پوشی کرتے ہیں! بہر حال میں سمجھتی ہوں، گو یہ میرا پہلا تجربہ ہے، کہ میں نے کوئی غلطی نہیں کی۔" یہ کہہ کر اُس نے اپنی ہنس کی سی گردن کو خفیف حرکت دی جس سے اُس کے لمبے لمبے بال جو اب تک اُس کی جوششِ شباب کے لئے زرین نقاب بنے ہوئے تھے، بکھر گئے۔ اُس نے اپنی نشست بدلی اور ایک شاہانہ ادا کے ساتھ بیٹھ گئی۔

"دیکھئے اور بتائے کہ میرے حسن و جمال میں ایسا کونسا

صناعتی نقص ہے کہ اُسے چھپانے کی ضرورت ہو!"

"آپ کے حسن و شباب کی تعریف الفاظ میں تو ممکن نہیں، مگر میرا مقصود تو یہ تھا کہ آپ زہرہ کی مخلوق ہوں یا کسی اور مقام کی، تاہم ایک غیر مرد کے سامنے......"

"ہاں، غیر مرد کے سامنے کیا؟" بے تابی کے ساتھ قطع کلام کر کے اُس نے مستفسرانہ دہرایا۔

"عورت! یہ بہتان ہے! لیکن میں اسوقت اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتی۔"

"میرا کہنا یہ ہے کہ حیا مصنوعی یا فطری عورت کی سب سے زیادہ دلکش ادا ہے"

"کیا فرمایا؟ بہتان!" جمالی کی حیرانی اب اس نقطے پر تھی جہاں انسان پتھر کی مورت سے زیادہ کچھ نہیں رہ جاتا ہے۔

اس عرصے میں چاند کی روشنی نے روشندانوں کے ذریعے کمرے میں دھندلکا سا پیدا کر دیا تھا۔ جمالی ایک کرسی پر سر ٹیک کر بیٹھ گیا۔

"آخر یہ معاملہ کیا ہے؟" سرگوشی کے لہجے میں اُس نے اپنے آپ سے سوال کیا؛ مگر ابھی شاید اس کے پیمانۂ حیرت میں کچھ گنجائش باقی تھی۔

"پیارے جمالی! ——— یہ بے تکلفی اس قدر جلد اور اس وجہ سے ہے کہ میں تمہیں جلد ملتفت دیکھنا چاہتی ہوں تم

اتنے سراسیمہ کیوں ہو ؟ "

"میرا نام ...... ! یقیناً آپ نے دروازہ کی تختی پر دیکھا ہوگا"

"میں نے آپ کا دروازہ ہی نہیں دیکھا نام کی تختی کیسی ؟"

"تو کیا آپ دروازے سے داخل نہیں ہوئیں ؟" اس کی آنکھیں اس سوال کے ساتھ ایک بار پھر پھیل کر رہ گئیں اور وہ حیرت زدہ اپنے ناخواندہ مہمان کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔

"نہیں !"

"تو پھر دریچے سے داخل ہوئی ہوں گی ؟" اُس کے قطعی انکار سے اگر جمالی کی وحشت و تحیر میں کوئی درجہ باقی رہ گیا تھا تو اس نے اُسے بھی پورا کر کے کہا۔

"ہاں ، ایک طرح پر"

"خدایا !" جمالی کے منہ سے نکل گیا۔ اور پھر سرگرانی کے باعث دونوں ہاتھوں میں اپنے سر کو تھام کر خاموش ہو گیا۔

"سنئے !" وہ کمال سنجیدگی کے ساتھ جمالی کو مخاطب کر کے کہنے لگی" یہ گفتگو ہم دونوں کو قریب تر کرنے میں مدد نہیں دے سکتی۔ آپ لوگ یعنی اس عالم کثیف کے باشندے عجیب و غریب مخلوق ہیں۔ بہر حال مجھے آپ لوگوں کی خصوصیات کو پیش نظر رکھنا

پڑے گا۔" بہت اچھا، کوئی کپڑا دیجئے تاکہ آپ کے حواس بجا ہوں اور فضول وقت ضائع نہ ہو۔"

جمالی یہ سن کر خوش خوش دوسرے کمرے میں گیا اور فوراً ہی اپنا ہلکے گلابی رنگ کا لباس شب خوابی ـــــــ جمالی اس رنگ کا دیوانہ تھا ـــــــ اور بوٹے دار ارغوانی ریشم کا فرغل لے آیا! اور پیکرِ عریاں کی جانب پھینک کر خود روشندان میں سے عروجِ ماہ کا نظارہ کرنے لگا! کیونکہ اس پہ ہنوز اخلاقیات کا دورہ پڑ رہا تھا: ہرچند ایک عورت سے اس حال میں روبرو ہونے پہ وہ اپنے اوپر نفرین کر رہا تھا! مگر جا بھی کہاں سکتا تھا؟

"میں اس طرف ہوا جاتا ہوں، آپ اطمینان سے کپڑے پہن لیں۔" یہ الفاظ اس نے بکمال لجاجت، معذرت خواہی کے لہجے میں ادا کئے۔

"مگر اس کی ضرورت؟" اقلیمِ جمال کی شوخ ملکہ نے جمالی کو چڑھانے کے لئے نہایت پُر مزاح انداز میں سوال کیا اور پھر بولی: "میں سمجھی! آپ کے قانونِ اخلاق کی بنا کمزور یا پرہے: ایک شخص جو رازہائے مستور کا رازدان و معتمد ہے دوسروں کو اور خود اپنے آپ کو بھی دھوکا دینے پہ مجبور رہے کہ اس نے کچھ نہیں دیکھا

ہے، وہ کچھ نہیں جانتا ہے! شرم و حیا کی اگر یہی تعریف ہے تو سبحان اللہ
اچھا تو اب مہربانی فرما کر میری جانب پشت کر لیجئے، اگرچہ میرے لئے
اس آزمائش کا پہلا موقع ہے اور مجھے ایک جاننے والے کی مدد کی
ضرورت ہو گی لیکن خیر، میں کوشش کروں گی۔"

جمالی نے اُس کے حکم کی تعمیل تو بڑی خوشی سے کی مگر اس کا
متخیلہ سرگرمی کے ساتھ تخمین و قیاس میں مصروف ہو گیا! اور
اب جب کہ اُسے گونہ یکسوئی میسر ہوئی تو اُسے معلوم ہوا کہ اُس
نورانی و عریانی کے سوا اور کوئی شے اس وقت اُس کے خیالات
کا مرکز نہیں بن سکتی!

"جمالی صاحب، اب آپ اس طرف دیکھ سکتے ہیں"، وہ
آواز جو طرب و مسرت کے سوا کچھ نہ تھی، کہتی سنائی دی، اور جمالی
فوراً اُس طرف مڑ گیا۔ "میرے متعلق اب آپ کی کیا رائے ہے؟" اس
نے سوال کیا۔

"وہی جو پہلے تھی۔" جمالی نے جواب دیا اور اب اس کے
لہجے سے معلوم ہو رہا تھا کہ خوف و ہراس باقی نہیں ہے، لیکن
جذبات کا ہیجان نقطۂ طوفان تک پہونچا ہوا ہے۔

"یعنی؟"

"یعنی یہ کہ آپ کا حسن نظامِ عالم کو درہم برہم کر دینے والا ہے"
"شکریہ!" وہ ایک گہری سانس لے کر کہنے لگی۔ "میں یہی سننے کی متمنی تھی!"

"مگر براہِ کرم اپنے نام تو مطلع فرمائیے؟" جمالی نے دریافت کیا۔

"میرا نام؟..... کوئی نہیں! کیونکہ آپ کی زبان میں نہ میرے نام کا تلفظ ادا ہو سکتا ہے اور نہ اس کا مفہوم! لیکن اگر آپ کے لئے میرا نام جاننا ضروری ہے تو کوئی نام بھی رکھ لیجئے ——— "زہرہ" ہی کیوں نہ کہئے؟"

"تلفظ اور مفہوم دونوں ادا نہیں ہو سکتے! خیر، لیکن اب مہربانی فرما کر آپ اپنی جو روشنی اور پری منائی سے علیحدہ ہو کر یعنی اس عالمِ خاکی میں آ کر گفتگو کیجئے۔"

"ہاں تو زہرہ" پسند ہے نا؟"

"بیحد! ایسی صورت میں کہ اصل نام معلوم کیا ہی نہیں جا سکتا کوئی اور نام اس سے زیادہ حسین اور موزوں نہیں ہو سکتا۔"

"مسٹر جمالی، میں نے آپ کا مہمان بننا اس لئے منتخب کیا کہ آپ اس طبقۂ انسان سے متعلق ہیں جو ہمیشہ ہر ان دیکھی مخلوق کے ساتھ

بغایت تشغف رکھتا ہے : مثلاً ققنس، عنقا، حور، پری؛ اور نظامِ شمسی کے دو ستارے یعنی زہرہ و مشتری وغیرہ - قبل اس کے کہ میں کچھ اور کہوں، میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ آپ کو اپنی قوتِ متخیلہ کے قوی ہونے کا پورا یقین ہے نا ؟ ——— میرا مطلب ہے کہ آپ میں تخئیل کا فقدان تو نہیں ؟"

"تخئیل کے بغیر ایک شخص شاعر کیونکر ہو سکتا ہے ؟" جمالی نے اس کے سوال میں اپنی توہین کا پہلو دیکھ کر اک گونہ برہمی کے انداز میں کہا "اور میں تو آپ کی عنایت سے "جمعیت الشعرا" کا ممبر بھی ہوں!"

"آپ کس چیز کے ممبر ہیں یہ تو میں نہ سمجھ سکی، لیکن بغیر سمجھے ہوئے مانے لیتی ہوں؛ اور یہ بھی یقین کئے لیتی ہوں کہ شاعری کے لئے تخئیل از بس ضروری ہے؛ لیکن میں نے آپ کی شاعری کا امتحان کہاں لیا ہے ؟ بہر حال میرے لئے یہ سوال ناگزیر تھا - میرا مقصود یہ ہے کہ جس شئے کو انسان کی اصطلاح میں تخئیل کہا جاتا ہے، اور جسے ہم نسلِ انسانی کی دلکش ترین خصوصیت باور کرتے ہیں، اگر آپ کے معاملے میں بہت زیادہ قوی و صحیح نہ ہو گی تو جو میں چاہتی ہوں سب کچھ لاحاصل ہو گا۔"

"آپ جو فرمائیں گی وہ اس وجہ سے تو فضول نہ ہو گا کہ میرے

پاس قوتِ تخیل کا فقدان ہے، لیکن پہلے آپ یہ بتائیں کہ ایک دوسرے سیارے کی مخلوق کسی انسانی زبان کو اتنی عمدہ طرح کیونکر بول سکتی ہے جس طرح آپ اردو بول رہی ہیں ؟" نوجوان شاعر نے ایک بیدارانہ انداز میں کہا۔

"اسے میں حوصلہ افزائی سے تعبیر کرتی ہوں اور مجھ پر شکریہ واجب ہے۔" زہرہ ادا پرور نے اپنے اعضا میں ایک لوچ پیدا کر کے جو اظہارِ تشکر کی عملی صورت تھی جواب دیا۔ "ہم لوگ ہر زبان کے حصول پر اختیار رکھتے ہیں؛ اور میں تو یہاں سات سال سے ہوں، ہر چند آپ کے طریقِ حساب میں یہ زمانہ اٹھارہ مہینے کے برابر ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ ہمارا سال باوجود مختصر ہونے کے آپ کے سال سے کم اس لئے نہیں ہوتا کہ ہماری قوتِ عاملہ نہایت سریع ہے اور اصل شئے وہی ہے۔ نہ کہ خیالی تقسیم اوقات ....."

"آپ یہاں ڈیڑھ سال سے ہیں !"

"جی ہاں، سطح ارض پر مجھے اتنا زمانہ گزر گیا ہے؛ اور سوائے اُس قلیل وقت کے جو ہم لوگوں کو اعادۂ قوت کے لئے از بس ضروری ہے یہاں میں نے ایک لمحہ بیکار نہیں کھویا ہے۔"

"کیا فرمایا ؟ اعادۂ قوت !"

"یہ سن کر آپ کو حیرت ہوئی ؟ یہ تو آپ لوگ بھی کرتے ہیں گو نہایت بھدّے طریقے سے : راتوں کو سو کر گزار دینا کیا ہے ؟ ہمیں اس کے لئے چند لمحوں کی ضرورت ہوتی ہے ۔ اور جس طرح نیند آپ کو غافل کر دیتی ہے اُسی طرح ایک قلیل وقفے کے لئے ہمارے قوا کے وظائف بھی معطل ہو جاتے ہیں ؛ لیکن ہماری یہ غفلت ایک معنی سے شدید تر ہوتی ہے کیونکہ ہم لوگ رویا سے محروم ہیں ۔ جو طاقت ہمیں متحرک رکھتی ہے ـــــــ جس کے متعلق آپ کی دنیا ابھی خیال بھی نہیں کر سکی ہے ـــــــ اُس کی تجدید کی ہمیں بیشک ضرورت ہوتی ہے ! تاہم ہم لوگ آپ کی طرح غافل نہیں ہو جاتے : ہماری غفلت ہمارا شعوری فعل ہوتا ہے ۔"

"آپ نے تو سائنس پر اچھا خاصہ لیکچر دے ڈالا ! اور اب میں اسے مذاق نہیں سمجھ سکتا کہ اس عرصے میں آپ کو کوئی دیکھ نہ سکا ۔"

"یہ تو ایک حقیقت ہے ۔ لیکن اگر انسان کی طبیعت میں ضد اور ہٹ نہ ہوتی تو آپ کو میرے متعلق اب سے پہلے احساس ہو گیا ہوتا : ایسے واقعات ہمیشہ رونما ہوتے رہتے ہیں جو مستور حقیقتوں کی طرف رہنمائی کا سلسلہ ہو سکتے ہیں ، مگر آپ لوگ اتنے پیچھے ہیں کہ سائنس کی علامتوں کو سمجھنے کے بجائے اپنے حواس کو قصور وار ٹھہراتے ہیں ۔"

"آپ کو تو انسانی معاملات میں بھی خاصہ درک ہے ! جیساکہ

آپ کو علم ہے کہ میں شاعری کے لگاؤ رکھتا ہوں، اُتنا کند ذہن بھی نہیں جتنا آپ خیال کرتی ہیں، مجھے تسلیم ہے کہ ہمارے سائنس داں ہمیشہ آپس میں دست و گریباں اور افراط و تفریط میں مبتلا رہتے ہیں اور یہی اختلاف رائے عوام کے لئے کسی فریق کو معتبر سمجھنے میں مانع آتا ہے۔"

"مجھے ذرا تعجب نہیں کہ آپ ان میں سے نہیں ہیں۔"

زہرہ کا لہجہ اب بالکل کاروباری ہو گیا تھا، لیکن نرم و دلکش اتنا ہی۔ "وہ فصل جو ایک سیارے سے دوسرے سیارے کے درمیاں پایا جاتا ہے۔ اتنا ناقابل عبور نہیں ہے جتنا آپ لوگوں نے باور کر لیا ہے۔ ان فضائی فاصلوں یا راستوں پر نقل و حرکت کی مقدار اب بھی کافی ہے مخلوق کی مختلف نوعیں ہر جگہ موجود ہیں، اور ان میں سے اکثر طبعی طاقتوں کے سمجھنے میں ــــــ خواہ وہ ان کے اندر رہوں یا باہر ــــــ آپ سے کہیں آگے ہیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ زہرہ والے بھی ابھی تک اپنے نظام شمسی سے باہر کا استدراک نہیں کر سکے ہیں۔ ماورائے مشتری کی تحقیقات کے لئے ہمیں باشندگان مریخ کی امداد کی ضرورت ہے؛ اور اس لئے ہم نے اُن کی رفاقت اختیار کی ہے۔ ہر چند وہ ہمارے ساتھ کوئی نسبت مشترک نہیں رکھتے۔ لیکن آپ کے مقابلے میں اُن کی وسعت و ترقی علم کہیں زیادہ ہے۔ اور

اس لئے کہ کرۂ ارض پر انسان کے خصائص طبعی جو تعامل و تعاون کے منافی ہیں ہم نے اپنی علمی تحقیقات کے لئے انتخاب قمر کو ترجیح دی، اور اس میں کامیاب بھی ہوئے۔"

"کامیاب ہو گئے!" جمالی نے پھر حیرت میں مبتلا ہو کر سوال کیا "آپ چاند تک ہو آئی ہیں؟"

"میں تو نہیں" زہرہ نے ایک عالمانہ پندار کے تحت میں خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ جو دور کے بادلوں میں بجلی کی چمک کی طرح تھی جواب دیا مگر بعض لوگ ہو آئی ہیں؛ وہاں ہوا کا وجود ہے اور کسی نہ کسی قسم کی مخلوق کا ہونا بھی ممکن ہے۔ لیکن کرہ نہایت مختصر اور حالات اس سے بہت مختلف ہیں جو ہم لوگوں کے خیال میں وہاں ہونا چاہیئے تھے۔ چنانچہ اب میں یہاں اس لئے آئی ہوں کہ کرۂ ارض کی تحقیقات کی ابتدا کروں۔"

"لیکن یہ کام کسی معمر سائنس داں کے لئے موزوں تھا نہ کہ آپ کی سی برق ادا و قمر لقا خاتون کے لئے! آپ کا مصرف صحیح تو یہ ہے کہ ہر ساعت نیا کرشمہ اور نیا غمزہ ایجاد ہو! دلوں کو گرمائیں، برمائیں!" جمالی کے ان غرور آفریں الفاظ نے زہرہ کے اندر واقعی احساس افتخار و محبوبی کو بیدار کر دیا" اور

اگر گستاخی نہ ہو تو بتلائیے کہ زہرہ کے مخلوق کا طرزِ محبت کیا ہے؟ یقیناً ہر بات کی طرح یہ بھی ہم دنیا والوں سے مختلف ہوگا!"

"ہم لوگ محبت کرتے ہیں اور معاملاتِ دل کی وہی صورت ہے جیسی اس دنیا میں، لیکن ہماری محبت کا انجام نکاح کبھی نہیں ہوتا۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ ہم لوگ آپ کی طرح "دل پھینک" نہیں ہیں؛ اور اتنی آسانی سے مبتلائے شیفتگی نہیں ہو جاتے اور نہ اس میں اتنا تو اتم ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف محبت ہماری ہستی کے اجزائے عظیمہ میں سے ہے جس کے بغیر ہم فنا ہو جا سکتے ہیں: یعنی ہماری نسل کا مبتلائے عشق ہونا لازمی ہے، خواہ عمر کے کسی حصے میں پہنچ کر ہو!"

"تو گویا آپ کے یہاں سلسلۂ تولید و تناسل بھی ہے، پھر تزویج کا نہ ہونا کیا معنی؟ غالباً آپ کی مراد رسم مناکحت سے ہے؟"

"نہیں، ہرگز نہیں! آپ کے مقابلے میں ہماری محبت کا مفہوم اتنا ہی وسیع تر ہے جس طرح آپ کی نیند کے مقابلے میں ہماری غفلتِ خواب از حد مختصر اور بالکل مختلف ہے: محبت سے ہماری روح میں شگفتگی اور قوتوں میں برنائی پیدا ہوتی ہے یعنی وہ ہمارے قوائے ذہنی کو ہماری روح کے ساتھ ہم آہنگ و ہمنوا

کر دیتی ہے۔"

"تو پھر آپ کے یہاں نسل منقطع ہو جاتا چاہتے کیونکہ تناسل سے تو آپ انکار ہی کرتی ہیں!"

"کیوں؟ منقطع کیوں ہو جائے؟ ہم اپنی انفرادی حیثیت میں کبھی فنا نہیں ہوتے! موت کا مسئلہ ہمارے یہاں داستانِ ماضی ہے اور محض تذکرۂ پاستیں کی شکل میں شاذ و نادر گفتگو میں آجاتا ہے!"

زہرہ کے موہنہ سے ان اکتشافات کو سن کر جمالی کے چشم و دماغ اب پھر نقوش و اجسام کے دیکھنے سے عاری ہونے لگے تھے۔

"آپ فنا نہیں ہوتے .... ! آپ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں!" اس نے بدحواس ہو کر سوال کیا۔

"جی ہاں! جب تک ہمارے جسم کا ایک جزو بھی باقی رہتا ہے ہم فنا نہیں ہو سکتے۔ وہ جزو جو باقی رہ جائے گا اُسی سے ہماری مکمل ہستی پھر تعمیر ہو جائے گی! اور ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ ہمارے وجود کی تکمیل اُس کے ہر جزو میں موجود ہے! گویا ہر جزو اپنی جگہ ایک کل ہے خواہ وہ جزو کیسا ہی حقیر کیوں نہ ہو!"

"اگر اس پر یقین بھی کر لیا جائے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کی تعداد میں ترقی نہیں ہو سکتی!"

"یہ اعتراض صحیح ہے اور ہماری اجتماعی ضرورتوں کے لئے اس کی ضرورت بھی نہیں ہے مگر اس لئے کہ کبھی کبھی ہماری ایک خاصی تعداد خلائے لبسیط میں جاکر گم ہو جاتی ہے اور پھر کبھی واپس نہیں آتی۔ یا یہ کہ اب تک واپس نہیں ہوئی ہے؛ اور ہم لوگ اپنی تعداد کو چار لاکھ پر قائم رکھنا چاہتے ہیں۔"

ہم کو ضرورت ہوتی ہے۔" "صرف چار لاکھ؟"

"جی! اگر ہر فرد کے لئے آپ کو کافی رقبے کی ضرورت ہے تو ہمارے کرے کے لئے یہ تعداد کافی ہے۔ اور اگر صحیح استعمال ہو تو اس تعداد کی قوتِ عاملہ کفایت کرے گی۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اگر ضرورت ہو تو ہم لوگ اس تعداد کو بڑھا بھی سکتے ہیں اور اس کام کے لئے ہمیں پانچ ماہ کی قلیل مدت درکار ہوتی ہے۔"

"مگر یہ کیونکر؟ اگر آپ کا عہدِ معانقہ . . . ." جمالی نے وحشت زدہ ہوکر سوال کیا۔

"جی ہاں ہمیں عہدِ معانقہ کی ضرورت اس لئے ہے کہ ہم میں اس طریقے اور عمل کی طاقت برداشت پیدا ہو جائے۔ مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں . . . . ."

"اوہ، خانم!" جمالی نے کچھ اندیشہ مند ہوکر اسے خاموش

کرنے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا "بس!"

"لیکن ایک حقیقت کے بیان میں کیا حرج ہے؟ حیاداری کے معنی الفاظ کا موہنہ سے نہ ادا کرنا تو نہیں!"

"یہ صحیح ہے، مگر الفاظ واقعات کو کراہت کی حد تک ناشائستہ بنا دیتے ہیں۔" جمالی کا چہرہ انفعال سے رنگین ہوگیا تھا جب اُس نے یہ کہا۔

"میں سمجھی! لیکن مباحث علمی میں مفہوم کو واضح طور پہ بیان کرنا اور صحیح مفہوم ادا کرنا ناگزیر ہے! خیر! ہمارا یہ عمل گو نہ سخت ہوتا ہے۔ ہمیں جو کچھ کرنا پڑتا ہے وہ یہ ہے کہ اپنے جسم ——— جسم کا لفظ میں آپ کے سمجھانے کے لئے استعمال کرتی ہوں، اپنی ہستی سے ایک ایک سالمہ جدا کر کے اُسے اُس خواہش اور تقاضے سے معمور کر دیتے ہیں جو ہماری ہستیوں کو اُس وقت برانگیختہ کر رہا ہوتا ہے! پھر وہ اجزا ہماری ترکیز کی مدد سے اپنی تعمیر شروع کر دیتے ہیں ——— یہاں تک کہ وہ بھی ہم جیسی ایک چیز بن جاتے ہیں۔"

"تو کیا آپ لوگوں کا جسم نہیں ہوتا؟"

"آپ اپنے سمجھنے کے لئے اُسے جسم سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ بہر حال وہ آپ جیسے جامد اجسام نہیں ہوتے! بلکہ یوں سمجھئے کہ ایک

نیم رقیق شے ــــ گیس اور سیال شے کے بین بین جسے صرف ہماری نگاہیں دیکھ سکتی ہیں۔ آپ لوگوں کو بھی نظر آ سکتے ہیں لیکن جب کہ آپ بھی "زہرہ" میں ہوں اور اپنی نگاہوں سے ــــ آپ کی زبان میں ــــ عقلاً کام لیں۔"

"اچھا تو پھر ایسی صورت میں آپ یہاں کیونکر آ سکتی ہیں؟ اور جس وقت آپ نے اس مکان میں قدم رنجہ فرمایا اُس وقت آپ کس ہیئت میں تھیں؟"

"آپ کے دوسرے سوال کا جواب پہلے دیتی ہوں یعنی ایک غبارِ منور کی شکل میں!"

"آپ نے کہا کہ آپ یہاں ایک غبارِ منور کی شکل.....!

"جی یہی بات ہے! پہلے میں نے اپنے تئیں ایسی حالتوں میں تحلیل کیا جس کا سمجھ لینا آپ کے لئے دشوار ہوگا! بس یوں سمجھ لیجئے کہ پھر میں جہاں کا قصد رکھتی تھی روانہ ہوگئی: مثلاً لاسلکی کی موجوں کو لے لیجئے۔ البتہ مجھے مکرر صورت پذیر ہونے میں ایک قلیل فرصت کی ضرورت بے شک ہوئی۔"

"حیرت ہے! جمالی نے کہا اور اُس کی نظریں زہرہ کے بلائے ہوش درخز امواج گیسو میں پھنس کر رہ گئیں جو

اُس کے شانہ و گردن پر بکھری ہوئی تھیں:"میرا قیاس اب بھی عاجز ہے: آپ دوبارہ جسم کیونکر اختیار کر سکی ہوں گی؟"

"محض خواہش کرنے اور صرف اُس شکل کے تصور سے! ہمارے لئے کسی دوسری ہیئت میں منتقل ہو جانا دشوار نہیں ہے بشرطیکہ ہمیں اُس کی ساخت اور ساتھ ہی اُس کے ابتدائی مدارج کا علم ہو۔ کسی ذی حیات مخلوق کا نشو و نما اتفاقیہ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اُسکی وضع و نمو، درجہ بدرجہ اور خاص قوانین کے تحت میں ہوتی ہے؛ چنانچہ ہمارے لئے صرف اُن مدارج و قوانین کا جان لینا کافی ہے۔ میں نے ان باتوں کا علم حاصل کر لیا تھا۔ اور اگر میں یہ مطالعہ نہ کر چکی ہوتی تو یہاں آنے بھی نہ دی جاتی۔"

"آپ نے ابھی یہ بھی فرمایا تھا کہ آپ اس طرح پر کبھی اور کہیں نہیں گئیں، جس طرح آپ نے یہاں قدم رنجہ فرمایا؟"

"آپ یقیناً ترقی کر رہے ہیں" زہرہ نے اپنی فوارہ نور گردن کو خفیف سی جنبش دے کر ایک ایسی مسکراہٹ کے ساتھ کہا، جیسی کلی کے کھلنے میں ہوتی ہے اور جس سے جمالی کی کافی ہمت افزائی ہوئی "بے شک میں یہاں دریچے کی راہ سے داخل ہوئی: میں نے آپ کو اس بنا پر منتخب کیا کہ آپ شاعرانہ ذہن و قلب رکھتے ہیں

اور یقیناً آپ کی تخئیل قوی اور بلند پروازہ ہوگی۔" ان الفاظ کے ساتھ ساتھ اس کی مسکراہٹ ہلکی ہوتی گئی۔

"لیکن آپ نے نسوانی پیکر کیوں پسند فرمایا؟" جمالی سے ضبط نہ ہو سکا اور سوال کرنے لگا۔

"اس کی وجہ یہ ہے کہ میں فطرتِ انسانی کے مطالعے سے اس نتیجے پر پہونچی ہوں کہ نسوانی ذرائع معلومات مرد کے مقابلے میں بہتر اور قوا ہین قوی تر ہوتے ہیں۔" اس وقت زہرہ ناز و نزاکت کی تصویر معلوم ہو رہی تھی۔

"تو کیا آپ کے یہاں آنے کا منشا جاسوسی اور مجھے اس کا آلہ کار بنانا ہے؟"

"اس کی ہمیں کیا ضرورت ہے؟ اور آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس سے ہمارا فائدہ ہی کیا مقصود ہو سکتا ہے؟" اس نے جواب میں کہا۔ "ہم اگر چاہیں تو کرۂ ارض کی آبادی کو ایک دن میں معدوم کر دیں! میں تو یہاں خاص مقاصد لے کر آئی ہوں، اور آپ کو دنیا کا نمائندہ منتخب کیا ہے۔ ابھی تو مجھے بہت طویل گفتگو کرنا ہے۔"

"شوق سے فرمائیے، میں ہمہ تن توجہ ہوں۔" جمالی نے جوش میں آکر کہا۔ "مجھے خود آپ سے بہت باتیں معلوم کرنا ہیں۔

اور آپ کی باتیں سننے میں کچھ مزا بھی آتا ہے: آپ بہت دلچسپ ہستی ہیں۔ لیکن اب رات زیادہ آگئی ہے، اور آپ...... کم از کم اس وقت تو عورت ہیں ـــــ مجھے خاتون کہنا چاہئے ـــــ میرا مقصود یہ ہے، ہر چند میں کہنا نہیں چاہتا کہ آپ کا یہاں قیام کرنا بالکل غیر موزوں ہے، اور کوئی دوسری جگہ ضرور تجویز ہونا چاہئے۔"
اتنا کہنے کے بعد اُس کا بشرہ تاثرات کا عجیب و غریب منظر بن گیا، اور آخر آخر کچھ پشیمانی کا رنگ پیدا ہو گیا۔

"میرا یہاں کا قیام نامناسب ہے!" زہرہ نے کہا۔ اُس کے لہجے سے خنگی و رنجیدگی ٹپکتی تھی۔ "میں یقیناً یہاں کے سوا کہیں اور قیام نہیں کر سکتی۔ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ میں یہاں کس لئے آئی ہوں؟ آپ تو اخلاق و تہذیب کے دیوتا ہیں۔ یہ کہاں کی شرافت ہے کہ آپ ایک مہمان کو اپنے گھر سے نکال دیں!"

"آپ کی میزبانی یقیناً میری مسرت و عزت کا سبب ہے اور میں نہایت خوش ہوتا ...... لیکن حقیقتاً...... آپ ہی فرمائیے یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟"

"کیونکر کیا معنی؟"

"اس کے یہ معنی ہیں کہ آپ شب باش کہاں ہوں گی؟"

"آہ! پیارے جمالی!" وہ مسکرائی اور اس طرح جیسے "زہرہ" سمندر کے کف سے طلوع ہوتے وقت تبسم ہوئی تھی "تم اتنے غیر شاعر نہیں ہو سکتے! اس درجہ بھولے بھی نہیں ہو! پھر کیا میں سمجھوں کہ تم اتنے چالاک ہو کہ سب کچھ میرے ہی مونہہ سے سننا چاہتے ہو؟ کیا تمہارا بستر اتنا تنگ ہے؟"

"مگر" غریب جمالی عجیب وقت میں مبتلا تھا کہ ایک لفظ سے زیادہ کچھ بول ہی نہ سکا؛ اور پھر مختلف جذبات کا معمول ہوتا رہا "آپ کو اس کا کچھ احساس بھی ہے!" ہزار خرابی ایک فقرہ ترکیب دے سکا۔

"ہاں مجھے پورا احساس ہے۔" اُس کے چہرے کی رونق اُس وقت ترقی پر تھی۔ "جب کہ میں انسانی ہیئت میں ہوں تو میں اصل مقصود کے ساتھ انسانی فطرت کے متعلق تجربے حاصل کر کے کیوں نہ اپنے علم کو وسیع کر لوں؟ اور پھر اس علم کے ہوتے ہوئے انسان کے محبت کرنے کا طریقہ از حد دلچسپ ہے، مجھے تم سے واقعی محبت ہو گئی ہے۔ پھر تمہیں کیا حق ہے کہ تم مجھے محروم کرنا چاہو؟۔ پیارے جمالی! تم میری محبت کا جواب محبت سے نہ دو گے؟ آہ! مجھ سے وہ محبت کرو جو عالمِ انسانی میں شیریں ترین ہو!"

"میں سمجھتا ہوں کہ آپ اس وقت قہوہ پینا پسند کریں گی۔"

جمالی اُس کے اس بے محابا اظہارِ تعشق سے کچھ کھو سا گیا اور کوئی دوسرا موضوع نہ پاکر تواضع کے خیال سے دریافت کرنے لگا۔

"ضرور! اگرچہ اس وقت گونہ خنکی بھی محسوس کر رہی ہوں۔ میرا کالبد انسانی، انسانی فطرت ہی کے تحت میں ہونا چاہئے۔"

ان ہوش ربا حالات و واقعات میں جمالی نے بجلی کے سماوار میں قہوہ طیار کیا اور جب تک قہوہ طیار ہو پیالیاں وغیرہ درست کرنے میں لگا رہا اور سوچنے لگا کہ یہ "یا تو .... اور یا ...."

"آپ لوگوں کے سوچنے کا طریقہ نہایت بیہودہ ہے۔ اگر مگر چہ چہ آپ کی ہر بات میں ہوتی ہے۔ بہر حال نہ یہ ہے اور نہ وہ! بات یہ ہے کہ انسانی دنیا کا جسم و دماغ غیر تمناہی دوئی میں تقسیم ہے۔"

"پھر ہم اس کا تدارک ہی کیا کر سکتے ہیں؟" جمالی، زہرہ کے اس خیال کو پڑھ لینے سے بدحواس ہو گیا اور سخت متعجب ہو کر پوچھنے لگا۔

"اس کا انحصار تو ریاضی کے اُن اصول پر ہے، جو تمام اشیاء کے وظائف کی صورت میں موجودات پر محیط ہیں۔ سرد و گرم، روز و شب نور و ظلمت وغیرہ۔"

"لیکن، وسطی، بھی ایک درجہ ہے! یعنی وہ شئے جو نہ سرد ہے نہ گرم وغیرہ! اس کے متعلق آپ کیا کہیں گے؟ کیا دوسری مثالوں

کے مقابلے میں یہ کم درجہ حقیقی ہے ؟ اس سے قطع نظر....... اس سے قطع نظر..... یہاں اُس کے لہجے میں ایک تذبذب سا پیدا ہوگیا " آہ، مگر تم مجھسے معاشقہ کہاں کر رہے ہو ؟ میں سب سے پہلے انسانی محبت کا تجربہ کرنا چاہتی ہوں ۔"

" میں...... لیکن محبت کے جذبات تو از خود پیدا ہونے چاہئیں ۔ یہ ارادی فعل تو نہیں !" یہ کہتے ہوئے وہ سماوار کی طرف جھپٹا کیونکہ قہوہ ٹپک رہا تھا ! اور پھر اُس کی جانب متوجہ ہوا ۔ " کوئی شک نہیں کہ مجھے آپ سے ایک اُنس پیدا ہوگیا ہے ۔"

" آہ ، مگر، ایک اُنس ، کافی نہیں !" زہرہ نے حسرت و ہیجان کی حالت میں شکوہ ریز لہجے میں کہا ۔

" میں اپنے تعلقِ خاطر کو پوشیدہ نہیں رکھنا چاہتا" جمالی نے کہا " مگر ہنوز تمہاری ہم نشینی و معیت کو وقت ہی کتنا گزرا ہے ؟ حالانکہ میں اپنے قلب میں تمہارے حسن و شباب کو مرتسم پاتا ہوں ! بس یہی محبت کی ابتدا ہے ۔" اسی لمحے میں اُس کا دل و دماغ اس طرف متوجہ ہوا تو اب جمالی کے دل میں نہ خوف تھا نہ تحیر، بلکہ اپنے در پردہ تابشِ جمال کی شعاعوں اور آتشِ شباب کی لپٹوں کو اپنے اندر سرایت ہوتے ہوئے محسوس کر رہا تھا ، یہاں تک کہ اُس نے زہرہ کی جنبش و حرکت

میں ایک معنویت دیکھی اور "ہاں، پیاری زہرہ! مجھے تم سے محبت ہے، تم نے اسی ساعت کے اندر میری ہستی کو شعلہ بداماں کر دیا ہے!"

"ہاں، اب مجھے تسکین ہوئی۔ میں اسی کی بھوکی تھی! لیکن پہلے مجھے تھوڑا قہوہ دو۔"

"جمالی نے پیالیوں میں قہوہ نکالا، زہرہ ندیدوں کی طرح پی گئی؛ اور ابھی وہ اپنا قہوہ ختم نہ کر چکا تھا کہ زہرہ کو تنفس میں مبتلا دیکھا جو آخر ایک کراہ میں منتقل ہو گیا۔

"آہ، قہوہ میں کیا تھا...؟ یہ میرا قالب انسانی... مجھے نہیں معلوم..." اس کی یہ حالت دیکھکر جمالی، پیالی کو میز پر رکھنا چاہتا تھا مگر وہ فرش پر گر کر چور چور ہو گئی۔ کوچ پر فرغل کے اندر زہرہ کے جسم کا تشنج صاف نظر آ رہا تھا۔

"یہ برداشت نہیں ہو سکتا..... مجھے واپس جانا چاہیئے ..... جو کچھ مجھ سے کہا گیا تھا سچ نکلا....."

جمالی نے اس کی سرگوشی سنی؛ اور پھر جو دیکھا تو سانس کی آمد و شد مفقود تھی۔ یہ سب کچھ آنِ واحد کا کام تھا؛ اور اس وقت کہ جمالی کے پپوٹے ہنوز نیند کے بوجھ سے دبے جا رہے تھے اور وہ خواب و بیداری کی درمیانی حالت میں تھا، زہرہ کا چہرہ دھندلا

ہو کر غائب ہوتا نظر آیا۔ جمالی نے ایک چیخ ماری اور اس کے ساتھ ہی اُسے علم ہوا کہ رات جو کتاب وہ پڑھتے پڑھتے سینے پر رکھ کر سو گیا تھا "دنیس کی تحقیقات" تھی! اپنے خواب پر اسے خود ہنسی آئی مگر جب اُس نے پھر سو جانا چاہا تو اُس صورت کے خیال میں نیند نہ آئی!

(مختار)

۱۹۲۵ء

بیداری کا خواب

میں حیران ہوں کہ اس فسانے کی ابتدا کہاں سے کروں!
بہرحال اس قصے سے میرا تعلق ولیریو کے رسٹورانٹ سے پیدا ہوا۔

شام کا وقت تھا اور چونکہ مجھے کہیں نہ کہیں جانا تھا اور گھر میں تنہا پڑے رہ کر شام کا وقت گزار دینا میری عادت نہ تھی، میں نے کھانے کے وقت کا ایک گھنٹہ ولیریو کے یہاں گزار دینا بہتر سمجھا۔

میں ابھی خدمتگار کو کھانے کا حکم دے ہی رہا تھا کہ میں نے ایک گوش آشنا آواز سنی، اور اس سے قبل کہ میں صاحب آواز کی صورت دیکھ سکوں میرے حافظے نے بتا دیا کہ وہ آواز جمالی کی تھی۔ میں نے اس کی میز کے قریب پہونچ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ چونک سا پڑا، اور مڑ کر مجھے دیکھا۔ کوئی وجہ نہ تھی کہ باوجود ایک عرصے تک ملاقات نہ ہونے کے وہ مجھے پہلی ہی نظر میں پہچان لیتا۔

"جمالی، اچھے تو ہو؛ اس مدت میں کہاں کہاں رہے؟"

میں نے دریافت کیا۔

"وقت گزرتا نہیں بلکہ اڑتا ہے!" اس نے جواب میں کہا۔ "کتنا زمانہ گزر گیا! حالانکہ دہلی میں ہماری یکجائی کل کی بات معلوم ہوتی ہے!"

ظاہر ہے کہ اس کے بعد ہم دونوں نے ساتھ کھانا کھایا اور اس نے مجھے اپنی کئی سال کی سرگزشت مختصر طور پر سنائی۔ میں اسے اپنے مکان پر لے آیا اور رات گئے تک جمالی کی مختلف و متعدد "وارداتیں" سنتا رہا۔ جمالی کے یہاں چونکہ کہنا اور سننا دو بالکل جداگانہ کام تھے اس لئے جب وہ کہنے پر آجاتا تو پھر کسی کی سننا نہ چاہتا تھا؛ اور دوسرے کو وہ کبھی اتنا موقع ہی نہ دیتا تھا کہ سننا خود اسکے حصے میں آئے؛ چنانچہ اس غیر متوقع صحبت میں بھی میرا حصہ صرف سننا تھا۔ میں جس وقت کچھ کہنا چاہتا تھا اور جو یقیناً ہماری پچھلی صحبتوں سے متعلق ہوتا تھا، وہ فوراً بات کاٹ کر خود اسی ذکر یا اور کسی واقعے کو جو اس بات سے پیدا ہوتا ہو بیان کرنے لگتا، اور میں سننے پر مجبور ہو جاتا۔

"تم لاہور کب اور کیسے آئے؟" میں نے اس سے ذرا سنجیدگی کے ساتھ سوال کیا اور اپنے لہجے سے اس پر ظاہر

کہہ دینا چاہا کہ میں اس کی لاہور کی موجودگی سے بیخبر رہنے پہ برہم ہوں۔

"میں یہاں ایک مہینے سے ہوں۔" اُس نے کچھ جھجکتے ہوئے جواب دیا۔

"اس کے کیا معنی؟ میں تو اس گمان میں تھا کہ تم آج ہی کل میں آئے ہو گے!" میں نے اپنی دیرینہ رفاقت کے حقوق کو اس طرح پامال ہوتے دیکھ کر بگڑ کر کہا۔ "تم نے مجھے اپنے پہنچنے کی پہلے سے اطلاع دی ہوتی، اگر یہ کسی وجہ سے نہ ہو سکا تھا تو سیدھے میرے پاس پہنچے ہوتے! تمہیں معلوم تھا کہ میں قطب از جانبی جنبد، پہ عمل پیرا ہوں!"

"یہ ایک معمے سے متعلق ہے اور اس معمے ہی نے مجھے اس طرزِ عمل پہ مجبور کر دیا۔" اس کے اس جواب پہ میری برہمی حیرت و استعجاب سے بدل گئی؛ اور جب میں نے وجہ معلوم کرنا چاہی تو اُس نے کسی قدر با خاطر نا خواستہ میری خفگی دور کرنے کے خیال سے بیان کیا۔

پچھلے سال میں کشمیر جا رہا تھا۔ روانگی حسب دستور بے ہنگامی کے ساتھ ہوئی اور تمہیں تار نہ دے سکا، اس لئے

ایک وقت لاہور ٹھہر کر تم سے ملنے کا قصد کر لیا۔ سامان اسٹیشن پر چھوڑ کر تمہارے یہاں پہنچا۔ تم موجود نہ تھے اور تمہاری واپسی میں کئی گھنٹے کی دیر تھی، اس لئے میں باہر نکل گیا۔ لیکن سڑک پر پہنچ کر کچھ اضمحلال سا محسوس ہوا۔ کہیں جانے کو جی نہ چاہا؛ مگر چونکہ لائبریری تک پہنچ گیا تھا، اندر چلا گیا۔ وہاں بھی طبیعت اُچاٹ ہوئی؛ واپس ہونا چاہا؛ گھڑی دیکھی تو ابھی دو گھنٹے تم سے ملاقات کی توقع نہ ہو سکتی تھی۔

"ایک میز کے سامنے بیٹھ گیا؛ اخبار اُلٹے پلٹے؛ مگر ریل میں صبح کی خبریں سب پڑھ چکا تھا؛ اس کام میں چند منٹ سے زیادہ صرف نہ ہوئے۔ اُٹھ کر الماریاں دیکھنے لگا۔ نگارستان تازہ شائع ہوئی تھی اور میں نے دیکھی بھی نہ تھی؛ وہ نکلوائی اور کیوپڈ اور سائکی پڑھنے لگا" یہاں پہنچ کر جمالی کچھ گم سا ہو گیا۔

"پھر؟ آگے سناؤ؛ اس کے بعد کیا ہوا؟" میں نے اس سے کہا اور ایک لمبی سانس لی، کیونکہ میں جانتا تھا کہ وہ اپنی کہانی کبھی ختم نہ کر سکے گا۔

"ہاں، تو میں اُسے پڑھتا رہا ——— "کیوپڈ اور سائکی"، خدا جانے میں کتنی بار پڑھ چکا تھا ———، اور جب میں نے اس رومانِ جمیل کو ختم کیا، تو اُس کاغذ کے پُرزے کو بھی پڑھا جو صفحوں

کے درمیان محفوظ کر دیا گیا تھا۔ ابھی تک میں اُسے 'نشانی' سمجھا کیا تھا؛ لیکن تم قیاس کر سکتے ہو کہ اُس میں کیا لکھا تھا؟ اگر آپ.... نمبر پہ ٹیلیفون کریں تو از بس عنایت ہو گی!" وہ نمبر میرے حافظے میں محفوظ نہ رہ سکا! اور اس وقت سے برابر ٹیلیفون کی کتاب پلٹتا رہتا ہوں مگر یاد نہیں آتا کہ میں نے کس نمبر سے گفتگو کی تھی: یہ میری عمر کی سب سے بڑی مصیبت ہے! غرض میں نے گوناگوں جذبات کا مرکز ہونے کی حالت میں گھنٹی دی۔ یقیناً تم کہو گے کہ میرا یہ فعل سخت احمقانہ تھا! تم یہ سمجھ سکتے ہو، میں قطعاً الزام نہ دوں گا؛ لیکن تم جانتے ہو کہ میں ہمیشہ اپنی متجسس و واردات طلب فطرت کا بندہ رہا ہوں۔ میں یہ بھی مانتا ہوں کہ اس طبیعت کی بدولت ایک سے زیادہ بار خطرات میں بھی مبتلا ہو چکا ہوں؛ مگر اسے کیا کروں کہ میرا جو قدم اُٹھتا ہے اسی جستجو اور تلاش میں اٹھتا ہے! خیر! رقعے کو پڑھ کر اوّل تو میں بھی اُسی نتیجے پر پہنچا جو تم اخذ کر سکتے ہو، یعنی وہ میرے لئے نہیں لکھا گیا تھا، بلکہ ممکن ہے کہ غلطی سے کتاب میں رہ گیا ہو۔ لیکن جب میں نے غور کیا تو مجھے یقین ہو گیا کہ وہ دانستہ کتاب کے اندر رکھا گیا تھا۔ اگر وہ "نشانی" ہوتا تو اس میں شکنیں وغیرہ ہوتیں؛

مگر وہ کاغذ بالکل صاف اور بے شکن تھا۔"

"تم تو اچھے خاصے خفیہ بن سکتے ہو! خفیہ میں درخواست کیوں نہیں دیدیتے؟" میں بیچ میں بول اُٹھا۔

"مسٹر جی!" اُس نے جھنجھلا کر کہا "تم نے جب یہ داستان سننے پر اصرار کیا ہے اور میں سُنا بھی رہا ہوں تو بیہودہ سوالات کرکے کہانی کا مزا کیوں کھوتے ہو؟ نشانی کا کاغذ ہمیشہ ذرا سا نکلا ہوا رہتا ہے اور چند ہی روز میں باہر نکلے ہوئے حصّے کا رنگ تبدیل ہو جاتا ہے۔ لیکن یہاں ایسا نہ تھا: نہ تو کاغذ کا ایک حصّہ نکلا ہوا تھا نہ اُس کے کسی جز کا رنگ بدلا ہوا تھا؛ بلکہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ نہایت احتیاط کے ساتھ کتاب کی سیون میں دبا کر رکھا گیا ہے اور حتی الامکان کتاب میں سے گرنہ جانے کی حفاظت کر دی گئی ہے؛ یقیناً، رکھنے والے نے جان کر اس پُرزے کو وہاں چھوڑا تھا۔

"ابتداً میں نے اُسے ایک لطیف مذاق سمجھا، لیکن مکرّر خیال نے واضح کر دیا اُس نوع کے ادب سے دلبستگی رکھنے والے کسی عملی مذاق کے مرتکب نہیں ہو سکتے۔ تمہیں مستثنیٰ کرتا ہوں، تم تو ہر حماقت پر تیار رہو جاؤ گے!"

"تم تو خود بار بار غیر متعلق باتیں شامل کرتے جاتے ہو

اور مجھ پہ الزام ہے !" میں نے اُس سے کہا "مگر تمہاری منطق کا ہر نتیجہ صحیح نہیں ہو سکتا ؛ یہ حرکت مذاق کی خاطر بھی ہو سکتی ہے، اور تمہاری دلیل قطعاً بے بنیاد ہے ۔"

" غرض میں نے ٹیلیفون کیا ۔ نمبر ملنے میں جو قلیل وقفہ صرف ہوا وہ میں کیونکر بتاؤں کہ مجھے سالہا سال کی مدت معلوم ہوئی ؟ خیر ! میرے کانوں میں ایک نسائی لہجے کی گونج پیدا ہوئی۔ کاش تم اُس لحنِ دلآویز کو سن سکتے ! ایسا نرم اور سکون زا جیسے کوئی خنک چشمہ جاری ہو ! اس کے بعد تو گویا میں انگاروں پہ تھا کہ اس تخیل نواز راز کو پہلی فرصت میں پالوں ! "ہل.... لو !" میں صرف اتنا سن پایا تھا ــــــ گو تمہارے لئے اس میں کوئی بات نہ ہو ــــــ مگر میں نہیں کہہ سکتا کہ عالمِ کیفیات کے کتنے سلسبیل و کوثر میری ہستی کو شرابور کر گئے !"

" میں نے کیوپڈ اور سائکی پڑھی !" میں نے کہا ؛ اور ایک ہلکے سے قہقہے کا ترنم میری رگوں کا خون بن گیا : اُسکی ہنسی میں بجلیاں تھیں جو میری روح و دل کی گہرائیوں میں جا کر ٹھہر گیا اور شراب کا کیف تھا جس نے مجھے حیات عالم سے بے خبر کر دیا۔ مختصر یہ کہ اس عنان معانی قہقہے کے ساتھ، جس نے ملاقات کے

بہت سے ابتدائی مدارج آنِ واحد میں طے کر دئے۔ وہ کہنے لگی:۔

" بہت جلد ——— آپنے زیادہ وقت نہ گزرنے دیا اور راز کو پالیا! خیر، یہ ایک جملۂ معترضہ تھا۔ کیا آپ آج شام کو غریب خانے پر قدم رنجہ فرما کر مجھے ممنون کریں گے ؟" تم ہی بتاؤ اس کا میں کیا جواب دیتا ؟ اُس سے ملاقات نہ کرتا ؟ ایک نازنین آواز بے محابا دعوت دے رہی ہے اور میں انکار کر دوں !" اگر آپ قبول فرمائیں تو میں اپنی موٹر حاضر کر دوں ؟" میں کیوں نہ قبول کرتا ! کتنی زحمتیں رفع ہوئی جا رہی تھیں !

چنانچہ میں نے شکریہ ادا کیا اور اس فوری خیال سے کہ کہیں اپنا صحیح پتا بتا دینا غیر مناسب ہو اور تمہارا کچھ ٹھیک بھی نہ تھا ——— نیز تمہیں اس کا علم ہو جاتا قبل از وقت بھی ہوتا ——— میں نے دلیریو کے دلیسٹو رانٹ کا پتہ بتا دیا۔ وہی جاں نواز ہنسی پھر میرے لئے سرورِ سماعت بن گئی : اُس نے مجھے ایک محتاط آدمی کا لقب دیا ! اور پھر ٹھیک آٹھ بجے کا وقت دے کر ٹیلیفون رکھ دیا۔"

" ہر وقت ضمائر سے کام نہ لو، اگر نام ظاہر کرنا مقصود نہیں تو فرضی نام رکھ لو !" میں نے جمالی سے کہا۔

"نام بھی معلوم ہو جائے گا، گھبرائے کیوں جاتے ہو؟ ہاں ..... اُس نے ٹیلیفون رکھ دیا اور میں ہمہ حیرت و استعجاب بن کر رہ گیا۔ میں اپنے بیان میں شاعری نہیں کرتا چاہتا ..... "

"تم اس سستی بیکار کی تکلیف گوارا بھی کیوں کرو؟" میں نے مزاحاً کہا۔ اس نے ایک معنی خیز نظر سے مجھے دیکھا اور جیسے میں نے کچھ کہا ہی نہ تھا اپنی کہانی کہتا رہا۔

"کیا کہوں کہ اُس روز میں نے ٹیلیفون کے موجد کو کتنی دعائیں دیں: اُس کے ذریعے سے مجھے ایک واردات عجیب نصیب ہوئی، میری نجھول زندگی میں محبت شامل ہو گئی ــــــ محبت، جس کی آرزو میں میری عمر بسر ہوتی چلی جارہی تھی! خیر! میں اب پریشان تھا کہ باقی وقت کس طرح گزرے باغ میں گیا وہاں وحشت ہونے لگی، مال روڈ کی ایک ایک دوکان چھان ڈالی، لیکن نہ وقت گزرتا تھا اور نہ اُلجھن کم ہوتی تھی۔ دیر تک کھڑا رہ کر سڑک پر گزرنے والی سواریوں کو دیکھتا اور اُن کے متعلق قیاس آرائیاں کرتا رہا، مگر وقت کی رفتار از حد سست تھی۔ خدا خدا کر کے پانچ بجے اسٹیشن پہنچا۔ لباس تبدیل کیا، اور جب پھر ڈیرہ کے ریسٹورانٹ میں پہنچا

تو سات بجے تھے۔ تم تو ڈیرکو کے یہاں اکثر جاتے ہو؟"

"نہیں، کبھی کبھی۔" میں نے جھنجھلا کر جواب دیا کیونکہ غیر متعلق باتوں کو مخلوط کر کے جماکی میرے لطف کو صدمہ پہنچا رہا تھا۔

"غرض میں نے ایک گھنٹہ اور چوں توں کر کے گزارا اور ٹھیک آٹھ بجے ایک نہایت شاندار و شان آفریں موٹر آکر رکی! اور چونکہ خالی تھی میں نے فوراً یقین کر لیا کہ وہ میرے ہی لئے تھی! اور غایت ہیجان کی حالت میں ڈرائیور سے دریافت بھی کر لیا۔

"اس کے آگے کیا مجھے یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ دوسرے لمحے میں میں اس طاؤسی رنگ کی لیموزین موٹر میں تمکنت آرا و تمکنت گیر، مال روڈ پہ چلا جا رہا تھا؟" جماکی نے اپنے انداز تنافس میں یہ بے معنی سوال کیا اور میں نے اپنے سکوت سے اسے سمجھا دیا کہ یہ سوال ہی بیہودہ ہے۔

"اس وقت میرے قلب و دماغ کی جو حالت کیفیت تھی، تم ہی بتاؤ اس کا اثر کیا ہونا تھا؟ اس خیال میں کہ میں کہاں جا رہا ہوں! میں اس درجہ منہمک تھا کہ میری آنکھیں بند تھیں اور میں کچھ اندازہ نہیں کر سکتا کہ موٹر مجھے کن راستوں

سے کہاں لے گئی؟ میں تصورات قائم کر کرکے بگاڑ رہا تھا گویا میں ایک چابک دست نقاش تھا کہ ہر لحظہ ایک نیا مرقع بناتا اور اُسے اپنے منطقِ نظر سے ادنیٰ پاکر بگاڑ دیتا اور پھر بہتر نقش قایم کرنے لگتا تھا!

ہرچند یہ میری بلند قسمتی تھی مگر میرے ظن و تخمین کی بدنصیبی کہ میرا تمام نگارستانِ تصویر غلط —— حقیقت سے بہت پست ثابت ہوا! موٹر نے مجھے ایک خوبصورت اور ستھرے مکان کے سامنے اُتارا اور میں ایک نفیس و شائستہ دیوان خانے میں داخل ہوگیا۔ سمجھ سکتے ہو، اندازہ کر سکتے ہو کہ میں نے کیا دیکھا! نہیں، باوجود شاعرانہ طبیعت رکھنے کے تمہارے لئے ممکن نہیں! میں کیونکر اُس مرقع زیبائی کو تمہارے سامنے نقش کروں! آج سے قبل میں اپنے شاعر نہ ہونے پر کبھی متاسف نہیں ہوا: دودھ اور گلاب کو شراب ارغواں کے ساتھ خمیر دو اور اُسے چاند کے سانچے میں ڈھال کر ایک پیکر بناؤ —— ایسا کہ دنیا کی جانِ نقاشی مرقعوں میں سے ہر ہر عضو منتخب کیا گیا ہو! اور پھر اس میں باغ کی نزہتوں اور نکہتوں کی روح دوڑا دی گئی ہو! نہیں، ابھی میری تصویر مکمل نہیں ہوئی۔ اس مجسمے کو نزاکتِ تبسم کے جلوے سے شرابور کر دو اور پھر اگر تابِ نظارہ ہو

ہو تو دیکھو! یہ منظر تھا جو میرے خرمن متاعِ متانت کے لئے صد ہزار برق در آغوش تھا۔

اس وقت بھی اُس کا کندنی رنگ نارنجی ریشم کی ساری کے اندر رقص زائیاں کرتا ہوا، اور اُس کی کشیدہ قامتی دنیا بھر کی قیامت خیزیوں کو لئے ہوئے میرے سامنے ہے!

"میں سمجھتی ہوں کہ آپ میری اس دعوتِ بے محابا پر نہایت متعجب ہو گئے!" ایک معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ اُس نے اپنے طربناک لحن میں کہا۔"

"ہر چند یہ واقعہ ہے کہ میں اُسکی تہ تک پہنچنے کے لئے بے چین ہوں، لیکن آپ کی خلافِ مرضی مجھے اصرار کبھی نہ ہوگا،" میں نے جواب دیا۔

"اس کے بعد اُس نے مجھے اپنی سرگزشت بلا کسی تمہید کے سنانا شروع کر دی۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ وہ کشمیری النسل اور ایک فرانسیسی خاتون کے بطن سے تھی؛ اور لاہور میں ایک اجنبی کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس کے والد تیس سال فرانس میں رہنے اور اپنی بیوی کے انتقال کے بعد، ہندوستان واپس آ گئے تھے اور لاہور کی سکونت اختیار کی تھی۔ یہاں اُن کو سال بھر سے زیادہ

نہ ہوا تھا کہ پیغامِ موت آگیا؛ اور اب وہ سوا اپنے معتمد خادمہ کے اور کسی پر بھروسہ کرنے کے قابل نہ تھی۔ اس قلیل مدت میں سلسلۂ تعارف اتنا محدود رہا کہ وہ کسی کو دوست تو کیا معنی، تنا سا بھی نہ کہہ سکتی تھی۔ جو دو چار ملاقاتی اور آنے جانیوالے تھے اُن کے متعلق اتنا ہی کافی ہے کہ قابلِ اعتماد ثابت نہ ہوئے۔

غرض ظاہر ہے کہ اس نے نگارستان پڑھی تھی اور ایک لطائف خیال کی بنا پر کہ اس قسم کے ادب اور بخصوص اس تذکرۂ حسن و محبت کے پڑھنے والے کا صاحب اتبا نہ ہونا اغلب ہے، وہ کاغذ کا پرزہ کتاب میں رکھ دیا تھا، جو شکر ہے کہ میرے ہاتھ پڑا! تعجب نہ کرو، اس کے والد نے اسے اُردو زبان، فرانس ہی میں پڑھا دی تھی!

تم خواہ کچھ ہی باور کرو لیکن میں کہہ سکتا ہوں کہ مجھے جنسِ نازک کی معیت و صحبت میں اُسی حد تک دلچسپی ہے کہ میں شائستگیِ خیال و ادب پرستی کا سبق حاصل کروں۔ یعنی میں اُن لوگوں میں نہیں ہوں جو نسوانی صحبت کا کامیاب مقابلہ نہیں کر سکتے اور فوراً سحرِ نسائیت کے معمول ہو جاتے ہیں؛ اور پھر اپنے سحر طراز کو قابو و تصرف میں لا کر طلسم شکنی کے مرتکب ہوتے

ہیں۔ لیکن باین ہمہ اقتدارِ نفس، میں اعتراف کرتا ہوں کہ اس موقعے پر میں بھی جمِ غفیر کا ایک جزوِ حقیر ثابت ہوا!

مختصر یہ کہ وہ اس حال اور جستجو میں تھی کہ ایک مخلص دوست مل جائے جس پر وہ اعتماد کر سکے۔ اگرچہ ہماری یہ صحبت مختصر نہ تھی، لیکن کچھ ایسی زیادہ طویل بھی نہ تھی" اور میں اس کی گلستان بیانی میں کچھ ایسا کھویا گیا کہ گویا ماحول کا کچھ وجود ہی نہ تھا: نہ تو میرے ذہن میں مکان کا نقشہ محفوظ ہے اور نہ دیوانخانے کے متعلق کچھ بتا سکتا ہوں؛ البتہ اتنا کہہ سکتا ہوں کہ وہاں کی فضا از بس دلکشا تھی اور دیواروں پر بعض نہایت نظرفریب نقوش آویزاں تھے۔ اور بھی کچھ آرائشی سامان تھا لیکن میں مطلق متوجہ نہ ہو سکا ـــــ میں صرف اُسے دیکھ رہا تھا، اُسے سُن رہا تھا: میرا باصرہ اُس میکدۂ آشوبِ شباب کو "محسوس" کر رہا تھا، میرا سامعہ اُس یوسفستانِ جمال کو "سُن" رہا تھا!

کھانے کا وقت تھا اور میں اس کی تواضع کو مسترد نہ کر سکا۔

"کھانے کی تفصیلات سے میرے کام و دہن کو کوئی لذت نہ مل سکے گی،" یہ دیکھ کر جو کہ کیا اُن کے نام گنانے ہی والا ہے۔ میں نے قطعِ کلام کر کے کہا۔

"اس کے بعد کیا گفتگو ہوئی؟ تم اتنے احمق کیوں بنتے ہو؟ تمہارا قیاس کیا کہتا ہے؟ ایک عورت اور ایک مرد کا موضوعِ سخن کیا ہو سکتا ہے، جب وہ حسین اور جوان بھی ہوں؟" اس موقع پر جمالی نے جوش میں آکر میز پر ایک گھونسا مارا۔

"ذرا ضبط سے کام لے کر!" میں نے چپکے سے کہا۔

"ہمارا موضوعِ کلام، محبت تھا ——— محبت کی صورت عمومی! اور اس بحث پر جو کچھ ہم جیسے دو انسان کہہ سن سکتے ہیں وہی ہماری گفتگو تھی۔ کیا تمہیں یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ وہ اس سمِ شیریں کی لذت سے ناآشنا نہ تھی؟ لیکن یہ بتانا البتہ ضروری ہے کہ شبلی اور دوسرے واقعاتِ عشق و محبت کے وہ بھی اپنی اس واردات قلبیہ میں ناکام رہی تھی ——— اور اس طرح اس کی ہستی تشنا تم ایک سچی ہمدردی قلب کے قبول کے لئے بالکل آمادہ و طیار تھی۔ آہ! اس کی زبان سے اُسی کا ماجرائے دل سننا کس درجہ دلدوز و جانگزا تھا!

کیا میرے قلب پر بھی محبت نے کوئی نشان جراحت چھوڑا ہے؟ یہ ایک سوال تھا جس کے جواب میں مجھے اعتراف کرتے ہی بنی۔ اور تم کیا سمجھتے ہو اُس نے یہ سن کر کیا کہا؟ وہ خوب ہنسی!

"دنیا میں ایسی کوئی شے نہیں جسے محبت یا دوستی کہا جاسکے! اس کی جستجو گویا اپنے نفس کو دھوکا دینا ہے!—— لیکن یہ دھوکا بجائے خود ایک پُرلطف و لذت شے ہے؛ اور اسی لئے ہم سب ایسا کرتے ہیں"۔ یہ آس نے ایسے لہجے میں کہا جس میں ایک غیر محسوس طنز پنہاں تھا؛ اور پھر تبسم کناں کہنے لگی "خوب" آپ تو یقیناً نسوانی معاملات میں کامیاب رہے ہوں گے! مرد عموماً کامیاب ہی ہوتے ہیں!"

"لیکن یہی وہ شے ہے جو بادم لذات و خراب کن کیفیات ہے!" میں نے جواب دیا؛ اور پھر اپنے اس جواب از رلیساں پر خجل بھی ہوا۔"

"یہاں پہنچ کر ہماری گفتگو نے عمومی پہلو کو چھوڑ کر محبت خصوصی کو موضوع سخن بنا لیا۔ مجھے یاد ہے کہ تقریباً دو گھنٹے کامل اسی ایک نقطے پر بحث و تمحیص ہوتی رہی؛ اور آخر ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ ہم دونوں اپنی محبت کی جراحتوں کا اندمال محبت ہی سے چاہتے ہیں اور ایک بار پھر اس وقتی کیفِ زندگی اور سرورِ حیات سے بہرہ اندوز ہوں۔ دونوں نے تسلیم کر لیا کہ ہماری موجودہ زندگیاں محبت کے بغیر عمانِ حیات میں

اس کشتی کی مانند ہیں جو از بس شکستہ اور بار گراں سے لدی ہو اور ایک متوالا ملاح اُسے کھیے رہا ہو۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ محبت کی ایک محزون ہم آغوشی اور عشق کی ایک افسردہ بغل گیری میں ہم دونوں اپنے غم خوئی کو غرق کر دیں۔

"کاش تم میری اوّلین موضوعِ محبت ہوتیں!" میں نے کہا۔

"کاش میری آرزوئے دل نے اوّل تمہاری صورت اختیار کی ہوتی!" اس نے جلوہ پاشیِ ابتسام اور نم چشم کیسا تھ جواب دیا!

یہ ساری داستان میں نے از حد اختصار کے ساتھ بیان کی ہے، ورنہ تم سمجھ سکتے ہو کہ ایک مرد جب کسی عورت کے سامنے جذبات کا اظہار کرتا ہے تو اُس کی گفتگو کا ننانوے فی صدی حصّہ بعد میں خود اُسی کو لغو اور بیہودہ نظر آتا ہے۔ اس لئے میں نے صرف واقعات کے بیان پر اکتفا کیا ہے، ورنہ سننے والے کے لئے وہ یقیناً مضحکہ خیز اور تھکا دینے والا ہوتا۔ ماسوا اس کے تم نے صدہا ناول پڑھے ہونگے اور کوئی فسانہ اس ننانوے فیصدی حصّے سے خالی نہیں ہوتا، لہٰذا اگر تم پوری داستان سننا چاہتے ہو تو کسی ناول کو اپنے خیال میں دُہرا کر میرے اجمال کی تفصیل سمجھ لو!

غرض ہم دونوں نے ایک تازہ حیاتِ معاشقہ کا تہیّہ کر لیا——

اور تم جانتے ہو کہ زمانہ اگر کوئی ہے تو "حال" ہے!

آہ مگر رشید، میں آج کہتا ہوں کہ مجھے شہلا کے ساتھ دلی محبت تھی! اور معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ رہے گی: حالانکہ میرے دل نے اُس کے قول کی اُس وقت تائید کی تھی کہ دنیا میں ایسی کوئی شے نہیں جسے محبت یا دوستی کہا جا سکے۔ میں نے جذبات سے مغلوب ہو کر اُسے شادی کا پیغام دے دیا۔ اُس نے اس عذر کے ساتھ کہ حیاتِ انسانی میں لذیذ ترین زمانہ عہدِ معاشقہ ہے اس لئے چند سال اس لذت سے شاد کام ہونا چاہئے، میری درخواست کو ملتوی کر دیا۔ غالباً تم بھی یہی کہو گے کہ میں نے واقعی عجلت سے کام لیا، لیکن تمہیں معلوم ہے کہ میرے ارادے اسی طرح قائم ہوتے ہیں——اور وہ بھی کچھ اسی مزاج کی تھی!

"تھی! اس کے کیا معنی؟" میں نے متحیرانہ سوال کیا۔

"صبر کے ساتھ سنے جاؤ!" اُس نے گھڑک کر جواب دیا۔ "اس نے وہ نوازشیں اور لطف فرمائے کہ میں کہہ نہیں سکتا!"

"مجھے افسوس ہے کہ ہر چند تم اُس کا نام ظاہر کرنا نہیں چاہتے تھے مگر تمہارے منہ سے نکل ہی گیا۔ خیر! اگر تم یہ بتاؤ کہ اس تھی کے کیا معنی ہیں کیا اس افسانے کا انجام یہ نہیں کہ آخر تم نے اس سے شادی

کرلی؟" میں نے سوال کیا۔

"نہیں" ! اس نے جواب دیا۔ "میں تو سمجھتا تھا کہ میرے احباب میں صرف تم مجھے سمجھ سکتے ہو۔ یہ تو ایک رومان محض ہے۔ میرا خیال ہے کہ میں اس نقطے کو واضح بھی کر چکا ہوں۔"

"لاحول ولاقوۃ !" میں نے کہا۔ "مگر یہ تو بتاؤ کہ محبت کے قول و قرار اور شادی منظور ہونے کے بعد بھی یہ معاملہ اس طرح کیوں ختم ہوا؟"

"اگر تم ذرا خاموش رہو تو میں خاتمے کا سبب بھی عرض کردوں۔ مگر تم تو سوالوں کے مارے دم ہی نہیں لینے دیتے۔" اس نے خفا ہو کر کہا۔

"اچھا کہو !" کہہ کر میں خاموش ہو گیا۔

"جب میں وہاں سے خوش کام و شادماں پلٹا تو میرا دل مسرتوں سے معمور اور دماغ آئندہ کی تجویزوں سے لبریز تھا۔ موٹر منتظر تھی۔ میں نے ڈلیراہی کے یہاں جانے کا حکم دیا۔ کیا میں نے کہا ہے کہ مجھے اس سے واقعی محبت تھی؟"

"جی ہاں، دس پانچ مرتبہ !" میں نے طنزاً جواب دیا۔

جب میں ریسٹورانٹ میں پہنچا تو پینے کے لئے کافی طلب کی

اور چاہا کہ جو کارڈ اُس نے مجھے چلتے وقت دیا تھا اُسے دیکھوں اُس وقت مجھے یہ ناگاہ احساس ہوا کہ موٹر میں سگریٹ کیس نکالتے وقت کارڈ گر پڑا تھا جسے میں اٹھانا بھول گیا۔ تم جانتے ہو کہ میں سخت فراموش کار واقع ہوا ہوں۔ اب میں حیران تھا کہ پتہ معلوم نہ راستہ یاد!"

"پھر؟" میں نے دریافت کیا۔

"اس کے آگے کچھ نہیں؟" اُس نے کہا اور اُس کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ جس پہ میرے دل میں اس کی طرف سے سخت جذبۂ رحم پیدا ہوگیا۔ "پھر میں اُس سے کبھی نہ مل سکا اور ملتا بھی کیسے؟ کوئی ٹھکانا معلوم ہو تو ملتا!"

"لیکن ٹیلیفون کی کتاب سے پتہ نکل سکتا تھا!" میں نے کہا۔

"لاحول ولا قوۃ! مجھے تو اس کا کبھی خیال ہی نہیں آیا"

اس کے چہرے پہ ایک رونق سی آگئی مگر دوسرے ہی لمحے میں مفقود ہوگئی۔ لیکن — میں نمبر بھی تو بھول گیا ہوں ... میں کہہ تو چکا ہوں کہ مجھے نمبر بھی یاد نہیں رہا۔ اور نہ مجھے خیال کہ میں نے وہ پرزہ کیا کیا؟" یہ کہہ کر وہ ایک گہرے سوچ میں پڑ گیا اور اور پھر کہنے لگا:

"میں دوسرے دن سڑکوں پہ اُس موٹر کو دیکھتا پھرا

اور پھر مایوس ہو کر دہلی چلا گیا۔ ضبط نہ ہو سکا تلاش کی اُمنگ اُٹھی اور اب ایک مہینے سے یہاں سرگرداں ہوں۔ تم ہی کچھ مدد کرو!"

"جمالی خواب تو تمہارا واقعی نہایت دلکش تھا۔" میں نے اُس کے شانے پہ ہاتھ رکھ کر دلجوئی کے انداز میں کہا۔

جمالی نے اب تمام تعلقات سے آزاد ہو کر لاہور کی سکونت اختیار کر لی ہے۔ صبح شام سڑکوں اور گلیوں کا گشت لگاتا رہتا ہے۔ سنا ہے کبھی کبھی میں بھی اس کی جستجو کا رفیق بن جاتا ہوں۔ دیکھئے اس خواب بیداری کی تعبیر کب نکلتی ہے!

۱۹۲۵ء





شاعرِ انقلاب حضرت جوش ملیح آبادی مدیر "کاخ بلند" کی تازہ ترین
وجد آفریں اور پُر کیف

نظموں کا مجموعہ

تمام کتاب مندرجہ ذیل ابواب پر منقسم ہے۔

(۱) نگار خانہ —— (۲) خمریات —— (۳) تاثرات ——

مطالعہ و نظر

ہر نظم اپنی جگہ مکمل، مرصع اور انتہائی طور پر کیفیاتِ شعری میں ڈوبی ہوئی ہے۔ اور خیام الہند نے جو نغمے برسائے ہیں وہ دل و دماغ کے لئے ایک مستقل تسکین اور سکونِ روح کے لئے حد درجہ مسرت انگیز ہیں۔ لکھائی چھپائی نفیس اور دیدہ زیب، ضخامت تقریباً ۲۰۰ صفحات، خوبصورت جلد، اور قیمت صرف [illegible] علاوہ محصول۔ ملنے کا پتہ:

منیجر کنول بک ڈپو، مرکزِ اشاعت ہینگ کی منڈی آگرہ

DUE DATE

Date	No.	Date	No.